اندیشے

محسنؔ اسرار

کراچی پبلی کیشنز

ضابطہ

شعری مجموعہ : اندیشے
شاعر : محسنؔ اسرار
شاعر سے رابطہ :0336-1832175
ترتیب : کاشف حسین غائرؔ
تزئین : حبیب الرحمٰن اعوان
استحقاق : حقوق بہ حق شاعر محفوظ ہیں
موسمِ اشاعت : جنوری دو ہزار چوبیس
زیرِ اہتمام : کراچی پبلی کیشنز
زرِ مبادلہ : دو ہزار روپے

پبلی کیشن کی جدید ٹیکنالوجی کے مطابق کتاب کی اشاعت کے لیے رابطہ کیجیے
کراچی پبلی کیشنز
آفس نمبر-106 ۔رم جھم شاپنگ سینٹر گلشن اقبال، کراچی
0336-1361627 - 0316-8919428 Email: k.hghyre@yahoo.com -

انتساب

یارک شائر ادبی فورم (برطانیہ)

اشتیاق میر

مہ جبین غزل انصاری

ڈاکٹر آفتاب مضطر

اور

احمد شاہ

(صدر آرٹس کونسل آف پاکستان)

کے نام

فہرست

مقدّمہ

محسن اسرار مخصوص اسلوب کے منفرد شاعر (ڈاکٹر عنبرین حسیب عنبر) 09

بابِ سخن

☆ تنفس کا جو دھارا ہے محمد ﷺ ۔۔۔ (نعت) 22
☆ انہونیوں کی ضد پر ہونا بنا رہا ہوں 24
☆ میرے اندر مرے ہونے کی علامت رکھ دے 26
☆ گواہی دے رہا ہے سرخ تلواروں کا ہونا 28
☆ میں جو بھاگنے کے لیے مڑا تو زمین اور سکڑ گئی 30
☆ تقدیر کو تدبیر سے بدلا نہیں جائے 32
☆ میں اک مزدور ہوں، اُجرت پہ گھر تعمیر کرتا ہوں 34
☆ دُکھوں کو بھول جانے کی ریاضت کر رہا ہوں 36
☆ کس قدر جھوٹ بولتے ہیں ہم 38
☆ جب وصال کرتی ہے زندگی سے خاموشی 40
☆ قصہ لکھو تو لفظ کی تکرار سے بچو 42
☆ ہر ایک شخص مخالف گواہ ہو جیسے 44
☆ روشنی ہم پر پڑی تو روشنی کے ہو گئے 46
☆ سمندر پر بھی پُل تعمیر کرنا چاہتے ہیں 48
☆ کیسے ممکن ہے کہ مردہ کوئی زندہ ہو جائے 50
☆ انہونی کا ہونا ”ہونا“ کب ہوتا ہے 52
☆ مرا ہونا اچانک مجھ پہ کیسے کھل گیا ہے 54

☆ کہتا ہے جنوں ہم سے کہ گھر بار نہ رکھنا 56
☆ باہر کو بھی اندر رکھنا سیکھ لیا ہے 58
☆ پیچھے مت دیکھنا موجود پرانا ہو گا 60
☆ میں تجھ کو، تُو مجھ کو کھول 62
☆ ہر نفس عمر ڈھلتی رہتی ہے 64
☆ مضطرب ہونا ہی میرا، مری پہچان ہُوا 66
☆ میں رات اور وقت کے آہنگِ برجستہ میں رہتا ہوں 68
☆ مزہ ہونے کا خدّ و خال کے پاتا نہیں ہے 70
☆ بازگشتوں میں بولتی ہو تم 72
☆ حوصلہ جان مجھ میں ڈال گیا 74
☆ لذتِ آوارگی نے کر دیا بے باک بھی 76
☆ خامیاں ڈھونڈ ہی لیں اُس نے مری یاری میں 78
☆ وحشت نے تسلیم کرائے ہنگامہ آرائی کے کام 80
☆ کیسا دیوانہ ہو گیا تھا میں 82
☆ وہ ایک لمحۂ مہلت جو ناگہاں آیا 84
☆ وقت ہے فیصلے بدلنے کا 86
☆ شہر میں ہم اپنے دُشمن آپ کہلاتے رہے 88
☆ جب بھی سر گھوما پرانا واقعہ دُہرا لیا 90
☆ ہنسنا اچھا لگتا ہے کبھی رونا اچھا لگتا ہے 92
☆ اُسی کے دست و دہن بے قرار ہوتے ہیں 94
☆ ترے وجود کا منصب بتا رہا ہے تجھے 96
☆ تُو محبت ہے تو کوئی حادثہ ہونے نہ دے 98
☆ خوشبو سی آئی اور میں مجذوب ہو گیا 100
☆ سکوت کہتا ہے: طوفان آنے والا ہے 102
☆ پاس رکھ کر نشانیاں اپنی 104

☆اچھا کچھ اپنے بارے میں سوچا نہیں گیا 106
☆اُس کی آنکھوں کے دیے پہلے جلے ہیں مجھ سے 108
☆بے لمس، بے گناہ! جوانی ہوئی کوئی 110
☆آج تک ہاتھ مرا دستِ دُعا ہی کیوں ہے؟ 112
☆مری اولاد مجھ سے کٹ گئی ہے 114
☆میں ایسے چل رہا ہوں ہلکے ہلکے 116
☆ذہن و دل گئے میرے 119
☆دل پوری طرح عشق میں پاگل بھی نہیں ہے 121
☆روز اک واقعہ بھی ہوتا ہے 123
☆جو اپنی بے سرو سامانیاں نہیں ہوتیں 125
☆ہم ہیں روٹھے ہوئے لوگوں کو منانے والے 127
☆تم نہ ملتیں اگر تو کیا ہوتا 129
☆لفظ کو میں نے جب صدا میں رکھا 131
☆تمھیں کیا ہو گیا ہے جاگتے میں سو رہی ہو؟ 133
☆جہان میں ابتری بہت ہے 135
☆دُور سے پاس کے لہجے میں پکارا اُس نے 138
☆کٹھن ہے وقت کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو 140
☆مرا وجود رہا ہے کہاں مرے اندر 142
☆فطرتِ علّت و سبب جاگی 144
☆خواب ہیں سو بنا ٹوٹے بھی نہیں رہ سکتے 146
☆دن اچھے کٹتے رہتے ہیں اُس گھر آنے جانے سے 148
☆نوری ہوں کچھ ناری ہوں 150
☆سفر، کہانی، حوالوں کی زد پہ رہتے ہیں 152
☆دُشمن ہمارے ہار کے ہم سے چلے گئے 154
☆پانی کے ہو گئے کبھی پتھر کے ہو گئے 156

☆وہ مجھ سے سوال کر رہی ہے 158
☆ہم اعتمادِ دوست کے مارے ہوئے بھی ہیں 160
☆تعبیر لیے بیٹھا ہوں میں خواب کے اندر 162
☆ظلم تو کرتا ہے کوئی اور بھرتا ہے کوئی 164
☆اُس کی آنکھوں میں خواب ہیں میرے 166
☆دشتِ طلب کی سیر سے دل بھر نہیں رہا 168
☆حشر میں لا کے بھی مجھے حشر اُٹھا نہیں رہا 170
☆تشکیک نظریات سے ٹکرانے لگی ہے 172
☆مراسم دیکھنا ہوں گر تمھیں دل اور خدا کے 174
☆بارُود کے حصار میں زندہ کھڑا ہوں میں 177
☆وقفے وقفے سے ادھر اب روشنی ہونے لگی 179
☆ہر اختلاف دل کے لیے عارضہ ہی ہے 181
☆وہ جب تلک نہ آئے اُسی کو پکاریے 183
☆سب ہی اپنے ہیں مگر لگتا نہیں اپنا کوئی 186
☆غزل چراغ جیسے ہوئے اور نہ خواب جیسے ہوئے 189
☆سناؤں قصہ تمھیں اُس کی جاں فشانی کا 191
☆نہیں ہوتی ہے اکثر گفتگو کی ابتدا تک 193
☆مرے دُکھوں میں دُکھوں کی علامتیں بھی نہیں 195
☆تضادِ لفظ و معنی مدّعا روکے ہوئے ہے 197
☆عشق میں موت کئی بار بھی آ سکتی ہے 199
☆کب کوئی رنج چھپانے کے لیے ہوتا ہے 201
☆ہم نے غمِ دوراں کو تماشا نہ بنایا 203
☆حالتیں مل کے جو سب ایک ہی حالت ہو جائے 205
☆جنوں کی اپنی شعوری بھی حالتیں ہیں کئی 207

محسن اسرار: مخصوص اسلوب کے منفرد شاعر

محسن اسرار عصر حاضر کے ایسے جدید شاعر ہیں جن کی اردو شاعری میں حیثیت معتبر ہے، ان کے کئی شعری مجموعے شایع ہو چکے ہیں اور اب "اندیشے" ان کا نیا شعری مجموعہ ہے۔ "اندیشے" کی شاعری انسانی تجربات کی گہرائیوں تک رسائی رکھتی ہے۔ یہ شاعری دلیل فراہم کرتی ہے کہ محسن اسرار محبت، رایگانی، شناخت اور وجودی غور وفکر کے موضوعات کے مختلف اور منفرد پہلوؤں پر غور کرتے ہیں۔ وہ گہرے مشاہدے کی صلاحیت سے مالا مال شاعر ہیں اور نہایت حساسیت کے ساتھ اپنے اطراف کی دنیا زندگی کی پیچیدگیوں اور باریکیوں کی پُرجوش عکاسی کرتے ہیں اور اپنے قارئین کو خود شناسی اور خود آگاہی کے گہرے سفر پر مدعو کرتے ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ محسن اسرار کے بارے میں ایک عمومی تاثر یہ ہے کہ وہ ایسے گوشہ نشین شاعر ہیں جو ادبی سماجیات سے تقریباً کٹے ہوئے ہیں لہٰذا وہ اپنی ذات میں مگن دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوں گے، لیکن ان کی شاعری عیاں کرتی ہے کہ یہ ایک ایسے سوچنے، سمجھنے، غور کرنے اور محسوس کرنے والا انسانی وجود رکھتے ہیں جو عصر حاضر کے ہر عمل اور ردِ عمل کو شعر کے قالب میں ڈھالنے پر قادر ہے۔ ان کی شاعری جان ڈن کے اس فقرے کی عکاس ہے کہ "کوئی آدمی ایک جزیرہ نہیں ہے"۔ یہ فقرہ دراصل اس گہرے سچ کو بیان کرتا ہے کہ انسانی وجود فطری طور پر سماجی اور اجتماعی ہے یعنی یہ فقرہ انسانیت کے باہم مربوط ہونے اور سماجی رشتوں اور بندھنوں کی اہمیت کو واضح کرتا ہے کہ کوئی چاہ کر بھی اس دنیا میں تنہا نہیں رہ سکتا باوجود اس کے کہ وہ یہ طے کر لے کہ "رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو" کیوں کہ افراد کوئی الگ تھلگ ہستی نہیں ہیں بلکہ وہ مشترکہ انسانیت کا ایک حصہ ہونے کے باعث تمام تر فرق اور

اختلاف کے باوجود ایک دوسرے سے یوں جڑے ہوئے ہیں کہ ایک دوسرے پر انحصار ناگزیر ہے۔ انسان جذباتی تعاون، صحبت اور باہمی مدد کے لیے ایک دوسرے پر انحصار کرتا ہے اس لیے شاعر جو معاشرے کا فرد بھی ہے وہ اپنے اطراف کی دنیا، عصری مسائل، خدشات، ثقافتی تبدیلیوں، معاشرتی شکست و ریخت، انسانی رویوں میں تغیر وتبدل جیسے موضوعات سے گریز کر ہی نہیں سکتا۔ وہ اپنے وقت کے سماجی، سیاسی اور معاشرتی حقائق کو بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ محسن اسرار کے ہاں بھی سماجی مسائل کا ذکر ملتا ہے۔ وہ معاشرتی اصولوں، ناانصافیوں اور عدم مساوات پر تنقید کرتے ہیں اور جابرانہ رویوں کو چیلنج کرنے اور حاشیہ پر موجود افراد کی حمایت کرتے ہیں، انھیں سوچنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ محسن اسرار کی شاعری اکثر سماجی مسائل کو ایک منفرد تناظر کے ساتھ بیان کرتی ہے، قارئین کو ناانصافی کا مقابلہ کرنے، تبدیلی کی وکالت کرنے اور زیادہ منصفانہ اور ہمدرد معاشرے کے لیے جدوجہد کرنے کا چیلنج دیتی ہے۔ ذاتی تجربات کو وسیع تر معاشرتی خدشات کے ساتھ جوڑتی ہے۔ یہاں ان کے شعروں سے کچھ مثالیں دیکھیے جو معاشرتی مسائل کو حل کرنے کے ان کے نقطہ نظر کو واضح کرتے ہیں:

؎ بیچا کرو لہو گزر اوقات کے لیے
لیکن ضرورتوں کے خریدار سے بچو

؎ میں اک مزدور ہوں اُجرت پہ گھر تعمیر کرتا ہوں
اور اپنی بے گھری کو خواب سے تعبیر کرتا ہوں

؎ گواہی دے رہا ہے سرخ تلواروں کا ہونا
قبیلوں کے لیے زحمت ہے سرداروں کا ہونا

؎ خواہشوں کی آنچ نے سب کو مقدس کر دیا
ایک ڈھب پر چل رہے ہیں پاک بھی ناپاک بھی

گفتگو کے داغ محسنؔ خامشی سے دُھل گئے
ہم نہ بولے جب تو سارے شہر نے اپنا لیا

یہاں انہونیاں "ہونے" پہ قابض ہو گئی ہیں
سو تُو بھی آ، نیا چہرہ، نئی آنکھیں بنا کر

میں نے تو احتجاج کیا ہی نہیں کبھی
پھر کیسے میرِ شہر کو مطلوب ہو گیا

ان مثالوں سے یہ بات عیاں ہے کہ محسن اسرار کے اشعار سماجی مسائل کا باریک بینی سے گہرا مشاہدہ کرتے ہیں، ذاتی تجربات کو وسیع تر معاشرتی خدشات کے ساتھ ملاتے ہیں۔لیکن ان اشعار سے محسن اسرار کی شاعری کی وہ خصوصیات بھی سامنے آتی ہیں جن کی بنیاد پر ہم انھیں مخصوص اسلوب کا منفرد شاعر قرار دے سکتے ہیں۔ان خصوصیات میں سب سے نمایاں خصوصیت ان کا منفرد نقطہ نظر ہے۔محسن اسرار اکثر غیر روایتی نقطہ نظر اپناتے ہیں اور روایتی حکمت اور معاشرتی اصولوں کو چیلنج کرتے ہیں اور بیشتر اوقات زندگی، معاشرے اور وجود کے مختلف پہلوؤں پر ایک منفرد تناظر پیش کرتے ہیں۔مثلاً یہ اشعار دیکھیے:

پاگل ہوں تو پاگل کی طرح کیوں نہیں لگتا
یہ سوچ کے تو عقل بھی چکرانے لگی ہے

جب کوئی نہ ہو گھر میں خود سے گفتگو کیجے
ورنہ جیت جاتی ہے آدمی سے خاموشی

بیچا کرو لہو گزر اوقات کے لیے
لیکن ضرورتوں کے خریدار سے بچو

خود اپنا رُوپ اس کی مٹی بدل رہی تھی
میں یہ سمجھ رہا تھا سونا بنا رہا ہوں

ان مثالوں میں دیے گئے اشعار میں پہلا شعر عقل اور عقلیت کے روایتی تصورات کو چیلنج کرتا ہے اور آزادی اور ذمہ داری کے درمیان تناؤ کی دریافت کرتا ہے اور یوں یہ احساس دلاتا ہے کہ جنون کو گلے لگانا معاشرتی مجبوریوں اور توقعات سے نجات، عقلیت اور معاشرتی اصولوں کے بوجھ سے آزادی کی ایک شکل پیش کر سکتا ہے۔اسی طرح دوسرے شعر میں اندرونی مکالمے اور خود آگاہی کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے یہ احساس دلایا گیا ہے کہ تنہائی، طاقت اور اپنی دریافت کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ جب کہ تیسرا شعر مادی فوائد کے لیے اپنی سالمیت پر سمجھوتہ کرنے کے خلاف احتیاط کا احساس دلاتے ہوئے بقا کے لیے اپنے جوہر کو قربان کر دینے کے خیال کو استعاراتی طور پر پیش کرتا ہے۔ چوتھا شعر کامیابی اور ناکامی کی روایتی تقسیم کو چیلنج کرتا ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ ذاتی تبدیلی اور ترقی بیرونی کامیابیوں سے زیادہ قیمتی ہو سکتی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ان مثالوں میں محسن اسرار کی تازہ بصیرت اور غیر روایتی تناظر پیش کرنے کی صلاحیت بالکل واضح ہو جاتی ہے جو قاری کو زندگی اور حقیقت کے بارے میں اپنے مفروضات اور تشریحات پر نظرِ ثانی کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔اسی ضمن میں محسن اسرار کا یہ شعر دیکھیے:

لائیے اپنے دُکھ مجھے دے دیں
دُکھ ہی تو زندگی سنوارتے ہیں

یہ محسن اسرار کے غیر روایتی تناظر کی ایک اور خوبصورت مثال ہے۔ یہ شعر انسانی دکھوں سے متعلق ہے۔اس میں مشترکہ انسانیت سے جڑے احساس کے تحت دوسرے کے غم قبول کرنے کی پیش کش روایتی محسوس ہوتی ہے لیکن دوسرا مصرع مصائب کے بارے میں شاعر کا ایک متضاد نقطہ نظر پیش کرتا ہے اور یہ احساس دلاتا ہے کہ انسانی وجود کی تشکیل میں دکھ میں ایک انقلاب پذیر خصوصیت ہے جو زندگی کو تقویت بخش اور خوبصورت بناتی ہے، دکھ زندگی کے تجربات کو معنی فراہم کرتا ہے۔ ان اشعار میں محسن اسرار کی انفرادیت اور مخصوص اسلوب کی دوسری خصوصیت بھی بہت واضح ہے اور وہ ہے موضوعات پر غور و فکر میں ان کی فلسفیانہ اپچ۔ یہ اُپچ ان کے شعروں میں وہ گہرائی پیدا کر دیتی ہے جو قاری کو زندگی کے اسرار و رموز پر غور کرنے

کی دعوت دیتی ہے مثلاً یہ اشعار دیکھیے:

؎نظر وہ رکھ جو اپنے چاند سورج خود بنائے
اُجالا کیا جو گھر میں ہو چراغوں کو جلا کے

؎عجیب دور ہے جیسے ہمارا دور نہ ہو
کہ حسبِ حال ہماری شباہتیں بھی نہیں

؎کیا تیرے حوالے سے تکلم کرے کوئی
اس شہر میں تو دوسرا پاگل بھی نہیں ہے

؎تُو مری آنکھ کے آنسو کی ریاضت نہ گھٹا
کیا ضروری ہے ہر اک اشک ستارہ ہو جائے

؎لکھ لکھ کے جھوٹے قصے سچ جانتا ہوں ان کو
دُنیا سے اک الگ میں دُنیا بنا رہا ہوں

ان اشعار میں اس خیال کا اظہار ہے کہ ہمارا ادراک ہماری حقیقت کو تشکیل دیتا ہے اور یہ باور کراتا ہے کہ حقیقی روشنی بیرونی ذرائع کے بجائے اندر سے آتی ہے۔ اسی طرح دوسرا شعر وقت کی روانی اور وجود کی عارضی نوعیت کی عکاسی کرتا ہے اور وقتی رکاوٹوں سے لاتعلقی کا مشورہ دیتا ہے۔ اگلے شعر میں معاشرتی مطابقت اور اختلافی آوازوں کی کمی پر تنقید، جمود پر سوال اور انفرادی اظہار کی وکالت موجود ہے۔ انفرادی تجربات اور جذبات کی اہمیت پر غور کرتا شعر یہ احساس دلاتا ہے کہ اداسی یا کمزوری کے لمحات کی بھی اندرونی قدر ہوتی ہے اور آخری شعر میں سچائی اور فلسفے کی نوعیت پر غور ملتا ہے، جو یہ تجویز کرتا ہے کہ کہانی سنانے کا عمل خود متبادل حقیقتیں بنا سکتا ہے اور دنیا کے بارے میں ہماری سمجھ کو تشکیل دے سکتا ہے۔ ان مثالوں سے صاف ظاہر ہے کہ محسن اسرار بنیادی سوالات اور تصورات کو حل کرنے میں گہرے غور وفکر سے کام لیتے

ہیں۔ یہ خصوصیت ان کو اس سمت لے جاتی ہے جو ان کی انفرادیت کی بنیاد کہی جا سکتی ہے اور وہ ہے محسن اسرار کی خود شناسی اور وجودی سوالات کی تلاش۔

؎خواب چہرے پہ خراشیں نہیں ڈالا کرتا
ہاتھ سے چھوٹتا ہے آئینہ بیداری میں

؎قرض اُس آنکھ سے لینا کوئی آساں تو نہیں
مستحق ہو اسے محسوس کرانا ہوگا

؎مری پہچان مجھ سے منحرف ہے
میں کیسا ہو گیا خود سے نکل کے

؎چوک ہو جائے تو اندر سے ہی آتا ہے عذاب
آدمی اتنا برا تھا تو بنا ہی کیوں ہے؟

؎زیادہ جی کر بھی کیا کروں گا؟
ہے جتنی بھی زندگی بہت ہے

محسن اسرار اپنے آس پاس کی دنیا کے بارے میں گہری تفہیم پیش کرتے ہیں جو پیچیدہ جذبات اور خیالات سے منسلک ہیں۔ ان کے ایسے اشعار میں زندگی کی معنویت اور مقصد تلاش کرنے کی جستجو بھی ہے۔ موجودہ دور میں معاشرتی تبدیلی میں غیر معمولی تیزی سماجی، ثقافتی اور تکنیکی تبدیلیوں، عالمگیریت اور سوشل میڈیا میں پیشرفت نے دنیا کو بدل کر رکھ دیا ہے جس کے سبب روایتی اقدار، طرز زندگی اور معاشرتی اصولوں میں آنے والی تبدیلی کی رفتار انسان کو معنی و شناخت کے قائم کردہ ذرائع سے منقطع ہونے کا احساس دلاتی ہے اور ایک عجیب سے احساس محرومی اور اضطراب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ آج کے دور میں خواب اور اس کی تعبیر میں بعد بہت نمایاں ہو چکا ہے۔ مندرجہ بالا اشعار خود شناسی اور خود آگاہی کی اہمیت پر زور دیتے

ہیں کہ کسی کے چہرے سے خوابوں کو کھرچنے کا استعارہ حقیقت کا سامنا کرنے اور اپنی حقیقی شناخت کو عیاں کرنے کے لیے واہموں کو دور کرنے کی ضرورت کی نشان دہی کرتا ہے۔ محسن اسرار کی خود عکاسی کی تبدیلی کی طاقت کو اجاگر کرتا ہے۔ یہاں خود آگاہی کا آئینہ افراد کو اپنے آپ کو واضح طور پر دیکھنے اور ذاتی ترقی اور روشن خیالی کی راہ پر گامزن کرنے کے قابل بناتا ہے۔ شناخت کی بدلتی ہوئی نوعیت اور خود کی دریافت کے سفر کی عکاسی شاعر کی موجودہ خودی اور ان کی ماضی کی شناخت کے درمیان منقطع ہونے کو تسلیم کرتا ہے جو ترقی اور ارتقا کے عمل کا اشارہ دیتا ہے۔ خود احتسابی اور خود شناسی کے ذریعے افراد خود کو زیادہ گہرائی سے سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے خود کو قبول کرنے کی صلاحیت اور ذاتی ترقی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح خود کی دریافت کے سفر میں موجود چیلنجز بھی ان اشعار میں واضح ہیں۔ ایک اہم کام کی تکمیل کا استعارہ ذاتی ترقی اور تبدیلی کی وسعت کو ظاہر کرتا ہے تاہم دوسروں کی طرف سے ہماری خیریت کے بارے میں پوچھے جانے والے سوال کا مطلب سفر کی جاری نوعیت اور غیر یقینی شکوک کے عالم میں لچک کی ضرورت ہے۔ محسن اسرار خود کی دریافت کی پیچیدگیوں کو نیویگیٹ کرنے میں استقامت اور خود اعتمادی کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ محسن اسرار کے شعروں میں اپنی دریافت اور امید کی تلاش آج کی دنیا میں گہری اہمیت رکھتی ہے کیوں کہ ایک ایسے دور میں جس میں تیزی سے تبدیلی، غیر یقینی صورتحال اور وجودی سوالیہ نشان ہے خود کی دریافت کا سفر انسان کو مقصد، معنی اور صداقت کا احساس فراہم کرتا ہے۔ خود آگاہی، قبولیت اور لچک کو فروغ دے کر اس سفر میں افراد کو زندگی کے چیلنجوں کو واضح اعتماد اور اندرونی سکون کے ساتھ نیویگیٹ کرنے کے قابل بناتا ہے اور آج کے دور میں جب انسان شناخت کے بحرانوں، سماجی دباؤ اور وجودی مخمصوں سے دوچار ہے اپنی دریافت کا سفر اندرونی ہم آہنگی، تکمیل اور خود شناسی کی طرف ایک راستہ پیش کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آج ہر لمحہ بدلتے زمانے میں جہاں ہم ایک طرف تکنیکی ترقی اور بہتر معیار زندگی کے دعوے دار ہیں وہیں دوسری طرف اس دور میں معلومات کا مسلسل بہاؤ ہمارے اعصاب میں تناؤ اور اضطراب میں اضافے کا باعث بھی ہے۔ مصنوعی ذہانت، بائیوٹیکنالوجی اور قابل تجدید توانائی جیسے شعبوں سے بے پناہ اختراعات، اخلاقی، سماجی اور ماحولیاتی خدشات کو بھی جنم دے رہے ہیں۔ جب کہ باہمی مسابقت، کام کا

دباؤ، سماجی توقعات، معیار پر پورا اترنے کی تگ ودو، قابلِ قبول بننے کی کوشش، مالی خدشات اور عصری زندگی کی تیز رفتار نوعیت اعصابی تناؤ اور اضطراب میں حد درجہ اضافہ کر چکی ہے۔ غور کیا جائے تو احساس ہوگا کہ جدید ٹیکنالوجی نے ہمیں قریب تو کیا ہے مگر ہم حقیقی سماجی روابط سے دور ہو گئے ہیں۔ آج ساتھ ہو کر بھی ہم ایک دوسرے کے لیے بالکل اجنبی ہو چکے ہیں، ہم آمنے سامنے بات چیت سے محروم ہو چکے ہیں۔

دونوں روز ملتے ہیں اس طرح مگر محسنؔ
جیسے کوئی ملتی ہو خامشی سے خاموشی

محسن اسرار کا یہ شعر جذباتی پیچیدگی اور رشتوں میں در آنے والے ابہام کا احساس دلاتا ہے۔ ”دونوں روز ملتے ہیں“ ممکنہ طور پر معمول کا احساس دلاتا ہے مگر اس معمول کی نوعیت اور خاموشی پر زور رشتے میں حقیقی رابطے یا جذباتی گہرائی کی کمی کا اشارہ دے رہا ہے جو وسیع تر سماجی مسائل کی نشان دہی ہے جس میں تعلقات میں سطحیت اور جدید معاشرے میں ظاہر ہونے والی بامعنی تعلق کی کمی شامل ہے یعنی یہ شعر انسانی رشتوں میں موجود لطیف پیچیدگیوں اور جذباتی باریکیوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ انسانی رشتوں میں در آنے والا یہ خلا انسانی وجود میں پھیل کر اسے وجودی بحران سے دوچار کر رہا ہے۔ دنیا میں اپنے آپ اور مقام پر مسلسل غور و فکر انسانی فطرت کا ایک ہمہ جہتی پہلو ہے جو ہماری خدا گاہی معنی کی تلاش سماجی حرکیات وجودی خدشات ارتقائی تقاضوں علمی تعصّبات اور روحانی و فلسفیانہ استفسارات پر مبنی ہے۔ تاہم جدید دنیا میں کئی عوامل اپنے اور دنیا میں اپنے مقام کے بارے میں شعور اور تشویش میں اضافے کا باعث ہیں۔ ان عوامل میں ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی خصوصاً کمیونی کیشن اور سوشل میڈیا میں ایک ہائپر کنیکٹڈ عالمی معاشرے کی تشکیل جس سے دوسروں کی کامیابیوں اور طرز زندگی کے مسلسل اجاگر ہونے سے اپنے موازنے اور معاشرے میں اپنی اہمیت اور مقام کا اندازہ لگانے کے لیے پیدا ہونے والا دباؤ، معلومات کا مسلسل بہاؤ، گلوبلائزیشن اور باہمی ربط و انحصار، معاشی عدم استحکام اور عدم تحفظ، سماجی اور سیاسی افراتفری، ماحولیاتی خدشات اور ثقافتی تبدیلیاں اور کثیر الثقافتی دنیا میں اپنی ثقافتی شناخت، اقدار اور تعلق سے متعلق تشویش شامل ہیں۔ جدید دنیا چیلنجوں اور مواقع کی ایک پیچیدہ اور باہم جڑی ہوئی ایسی صف پیش کرتی ہے جو افراد کے اپنے اور

معاشرے میں ان کے مقام کے بارے میں تصورات کی تشکیل کرتی ہے۔ان حرکیات کے جواب میں افراد اپنی ذاتی شناخت، اقدار، خواہشات اور اپنے اردگرد کی دنیا پر اثرات کے بارے میں بلند شعور اور تشویش کے تجربے سے گزر سکتے ہیں۔ایسے میں محسن اسرار جدید زندگی کے وجودی مخمصے کو گرفت میں لیتے ہیں جہاں ہم انفرادیت کے باوجود اکثر دوسروں سے ہی نہیں خود سے بھی اپنے آپ کو منقطع اور الگ تھلگ محسوس کرتے ہیں۔ہم نے اس ضمن میں جو شعر بطور مثال پیش کیا ہے اس شعر سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محسن اسرار کے ہاں انسانی تجربے کی وضاحت کرنے والے بے شمار جذبات اور تجربات کی عکاسی موجود ہے یہی سبب ہے کہ ان کے ہاں موضوعات کی رینج خاصی وسیع ہے۔وہ انسانی تجربات کی کثیر جہتی تہوں کو اپنی شاعری میں سمیٹ لیتے ہیں۔ان کی شاعری زندگی کی پیچیدگیوں، تضادات، اور باریکیوں کے بارے میں گہری بصیرت پیش کرتی ہے۔اسی حوالے سے محسن اسرار کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیے:

گزر رہے ہیں مرے سائے پہ سے ایسے لوگ
مرا وجود کوئی زادِ راہ ہو جیسے

اس شعر میں اس اداسی اور وجودی غور و فکر کو محسوس کیجیے جو تنہائی اور عدم استحکام کے اجتماعی احساس کی نمائندگی کرتا ہے۔وجودی بحران اور اپنے ہونے کے معنی کی تلاش آج کا اجتماعی مسئلہ بن چکا ہے۔"سائے پر سے گزرتے لوگ" عارضی نوعیت اور شاعر سے لوگوں کے عدم تعلق کے احساس کو نمایاں کر رہا ہے جب کہ زادِ راہ وجود کا راستہ ہے جو دوسروں کے ساتھ عارضی تعاملات اور ان کے درمیان اپنے وجود کی گہری تفہیم کے لیے شاعر کی جستجو کو واضح کر رہا ہے۔
دلچسپ بات یہ ہے کہ سایہ تجربات کی عارضی نوعیت کی علامت ہے، سایہ خود عارضی اور ناگزیر ہے اور زندگی کے عدم استحکام کا آئینہ دار ہے۔اس صورت حال کو سمجھنا محسن اسرار کے خود شناسی کے سفر اور وجودی اضطراب کا عکاس ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ شعر پیچیدہ وجودی موضوعات کو جامع اور evocative زبان میں سمیٹنے کی عمدہ مثال ہے جو فکر انگیز بھی ہے۔یہاں محسن اسرار کی شاعری کی ایک بڑی نمایاں خصوصیت پر بات بے محل نہیں ہوگی، یہ خصوصیت محسن اسرار کی شعری زبان کی زبردست قوت اور اظہار کی خوبصورتی ہے۔ان کی شاعری میں ایسی تکنیکیں پائی جاتی ہیں جو اس شاعری کی گہرائی، تہہ داری، انفرادیت اور کشش میں خاطر خواہ

اضافہ کر دیتی ہیں۔ان کی شاعری میں روایت کی پاسداری اور اظہار کی جدت ساتھ ساتھ ملتی ہے۔ان کی شاعری نئی اور تازہ امیجری اور حیرت انگیز استعاروں سے بھری ہوئی ہے، جو حسی تجربات کو جنم دیتی ہے اور پیچیدہ جذبات کا اظہار کرتی ہے۔محسن اسرار تجریدی خیالات اور جذبات کو ٹھوس الفاظ میں بیان کرنے کے لیے اکثر استعارے اور علامت کا استعمال کرتے ہیں۔ایک چیز کو دوسری شے سے تشبیہ دے کر وہ اپنی شاعری کی گہرائی اور گونج بڑھا دیتے ہیں جس سے قاری کو معنی کی کئی پرتوں کی ترجمانی کا موقع مل جاتا ہے۔ان کے استعارے اور علامتیں اکثر آفاقی موضوعات اور سچائیوں کی تلاش میں مہمیز کا کام دیتی ہیں جس سے ان کی شاعری فکر انگیز ہو جاتی ہے۔مثال کے طور پر ان کا یہ شعر دیکھیے:

سب ہی اپنے ہیں مگر لگتا نہیں اپنا کوئی
ایسا لگتا ہے کہ ہے دُنیا نئی دُنیا کوئی

اس شعر میں اسرار اپنی موروثی خود مختاری کے باوجود انفرادی طور پر منقطع ہونے اور بے گانگی کے احساس کو بیان کرنے کے لیے استعاراتی زبان کا استعمال کرتے ہیں۔اسی طرح ان کا یہ شعر دیکھیے:

ہم بھی سراب ہو کے تذبذب میں پڑ گئے
کس آدمی کے سامنے کیا رُوپ دھاریے

اس شعر میں محسن اسرار نے فصیح اور نحو کا استعمال کیا گیا ہے جس سے شعر کی موسیقیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔یہ شعر زبان اور نحو پر محسن اسرار کی مہارت کو ظاہر کرتا ہے کیوں کہ وہ بغیر کسی رکاوٹ کے الفاظ کو جوڑ کر ایک مسحور کن بصری اور سمعی اثر پیدا کر دیتے ہیں۔

اس طرح سامنے بیٹھے ہے مرے وہ محسنؔ
جیسے درویش کے آگے کوئی دولت رکھ دے

محسن اسرار اکثر گہرے معنی اور بصیرت کو پہنچانے کے لیے علامت اور تمثیل کا استعمال کرتے ہیں۔علامتی زبان کے ذریعے وہ قاری کو اپنی شاعری کی متعدد سطحوں پر تشریح کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔جیسے اس شعر میں محسن اسرار نے مادی دولت اور روحانی روشن خیالی کے درمیان تفاوت کو ظاہر کرنے کے لیے تمثیلی زبان کا استعمال کیا ہے جو ظاہری املاک کے مقابلے میں اندرونی دولت کی حقیقی قدر کو اُجاگر کرتا ہے۔اسی طرح محسن اسرار نے شاعری میں اکثر

ردھم کے نمونے اور صوتی آلات بھی شامل کیے ہیں جیسے کہ کنائے اور آہنگ جوان کی شاعری میں غنائیت اور جمالیاتی کشش میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ شعر دیکھیے:

میں سفر کبھی بھی نہ کر سکا تری رہ گزر کی تلاش میں
کبھی پاؤں میرا پھسل گیا، کبھی خاک آنکھ میں پڑ گئی

یہ شعر محسن اسرار کی شاعری کے تال میل کی مثال ہے۔ ان کے متوازن الفاظ، محاورہ اور ہم آہنگ آوازوں کے نمونوں سے ان کی یہ ہنرمندی ظاہر ہے۔ مجموعی طور پر محسن اسرار کی شاعری ان کی زبان اور لسانی خوب صورتیوں کی آئینہ دار ہے جس میں بھرپور تصویر کشی، علامت نگاری اور ردھم کی نفاست شامل ہے۔ محسن اسرار لسانی مہارت کے ذریعے ایک ایسے گیت کی کیمسٹری تخلیق کرتے ہیں جو قاری کو مسحور کرتی ہے اور انہیں اپنے شاعرانہ اظہار کی خوبصورتی اور گہرائی میں ڈوب جانے کی دعوت دیتی ہے۔ محسن اسرار کی شاعری ایک اور خصوصیت جذباتی شدت سے نمایاں ہے جس کا اظہار وہ تازہ تصویر کشی اور سادہ دلکش زبان سے کرتے ہیں۔ ان کی شاعری کی جذباتی گہرائی کو ظاہر کرنے والی چند مثالیں دیکھتے ہیں:

لائیے اپنے دکھ مجھے دے دیں
دکھ ہی تو زندگی سنوارتے ہیں

جب کوئی دکھ نیا سینے میں اُتر آتا ہے
لطف دیتے ہیں بہت رنج پرانے والے

یک بیک اس نے تو حالت ہی بدل لی اپنی
پھر مجھے بھی اسی حالت سے گزارا اس نے

میں اپنے طور پہ برداشت رنج کر لیتا
پہ ہو رہا ہے کوئی رائیگاں مرے اندر

یہ کیسا وقت ہے جو رُک نہیں رہا مجھ سے
یہ اپنے ساتھ کہاں لے کے جا رہا ہے مجھے

یہ مثالیں محسن اسرار کی اپنی شاعری کے ذریعے طاقت ور جذبات کو ابھارنے کی صلاحیت کو واضح کرتی ہیں، جس سے قاری کو جذباتی سطح پر انسانی تجربے کی گہرائیوں سے جوڑنے کا موقع ملتا ہے۔ انسانی تجربے کی گہرائیوں سے مراد جذبات، خیالات، احساسات اور وجودی عکاسی کی وسیع رینج ہے جن کا سامنا انسان اپنی پوری زندگی میں کرتا ہے۔ انسانی تجربے کی گہرائیاں جوش و خروش کی چوٹیوں اور مایوسی کی کھائیوں دونوں کو گھیرے ہوئے ہیں۔ ادب، آرٹ، فلسفہ اور نفسیات میں انسانی تجربے کی گہرائیوں کو اکثر اپنے آپ کو اور دنیا میں اپنے مقام کو بہتر طور پر سمجھنے کے طریقے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور جانچا جاتا ہے۔ ان گہرائیوں کو تلاش کرنے سے فرد انسانی حالت کی فراوانی اور پیچیدگی کے بارے میں بصیرت حاصل کرتا ہے اور اپنے اور دوسروں کے ساتھ گہرے روابط کو فروغ دیتا ہے۔ ”اندیشے“ کی شاعری کے مطالعے کے بعد یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ محسن اسرار کے موضوعات، اسلوب، فلسفیانہ اُپج، گہرائی جمالیات ان کے منفرد اور اہم شاعر ہونے کے بارے میں بصیرت فراہم کرتے ہیں اور قاری کو ان کی تخلیقات کے ذریعے دریافت کے سفر پر جانے کی دعوت دیتے ہیں۔ بلا شبہ محسن اسرار کی شاعری میں بھرپور تصویر کشی، استعارے، ابہام، ردھم، جذباتی گونج اور سماجی تبصرے کے استعمال کی خوبصورتی ان کی شاعری میں گہرائی، انفرادیت اور وہ کشش پیدا کر دیتی ہے جو اسے قاری کے لیے ایک زبردست اور بھرپور تجربہ بنا دیتی ہے۔ ان کے اشعار معنی اور باریکیوں کی تہوں سے مزین ہیں۔ انھوں نے موضوعات کی وسیع رینج، تجربات کی گہرائی اور زبان و بیان پر مہارت سے وہ خوب صورت اور حیران کن شعری دنیا تخلیق کی ہے جو زمان، مکان اور زبان کی حدود کو عبور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر عنبریں حسیب عنبر
29 فروری 2024

بابِ سخن

گزر رہے ہیں مرے سائے پہ سے ایسے لوگ
مرا وجود کوئی زادِ راہ ہو جیسے

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تنفّس کا جو دھارا ہے محمد ﷺ کے سبب سے ہے
جو زندہ شخص زندہ ہے محمد ﷺ کے سبب سے ہے

زمیں پر ملک ہے جو بھی خدا کی مملکت ہے وہ
زمیں کا یہ جو نقشہ ہے محمد ﷺ کے سبب سے ہے

خدا کی شان کیا ہے؟ یہ بتایا ہے محمد ﷺ نے
خدا کا جو بھی بندہ ہے محمد ﷺ کے سبب سے ہے

بھلا وہ ہے کرے خلق خدا کا جو بھلا ہر دم
جو اچھا کارِ دُنیا ہے محمد ﷺ کے سبب سے ہے

ہُوا ہے خیر کے زمرے میں سب کچھ اُن کی نسبت سے
جو ہوتا ہے، جو ہونا ہے محمد ﷺ کے سبب سے ہے

کُھلا توحید کا عالم رسالت کے توسّط سے
یہاں جو جشن برپا ہے محمد ﷺ کے سبب سے ہے

کیا ناپید بدکاری کو سرکارِ دو عالم نے
سو اب جو پیدا پیدا ہے محمد ﷺ کے سبب سے ہے

پڑھے کلمہ تو کُھلتے ہیں نبی کے وصف قسمت پر
جو اچھا رزق ملتا ہے محمد ﷺ کے سبب سے ہے

دُرُود اُن پر پڑھیں محسنؔ تو بارش دھوپ کرتی ہے
یہ جو صحرا میں دریا ہے محمد ﷺ کے سبب سے ہے

انہونیوں کی ضد پر ہونا بنا رہا ہوں
کاغذ کو میں دوبارہ کورا بنا رہا ہوں

لکھ لکھ کے جھوٹے قصّے سچ جانتا ہوں ان کو
دُنیا سے اک الگ میں دُنیا بنا رہا ہوں

خود رُوپ اپنا اُس کی مٹّی بدل رہی تھی
میں یہ سمجھ رہا تھا سونا بنا رہا ہوں

میں بیٹھتا ہوں گھر میں جگہیں بدل بدل کر
یعنی میں گھر کو گھر کے جیسا بنا رہا ہوں

پربت تراشنے کا مقصد مرا الگ ہے
میں اپنی واپسی کا رستہ بنا رہا ہوں

میں رو نہیں رہا ہوں یہ مصلحت ہے میری
حیرت کے درمیاں اک وقفہ بنا رہا ہوں

مجھ کو گداگری کا خوگر نہ کوئی سمجھے
میں اچھے دوستوں کا حلقہ بنا رہا ہوں

آنے سے تیرے گھر کی وقعت کھلی ہے مجھ پر
کھڑکی کے واسطے اب پردہ بنا رہا ہوں

تم بھی مٹانا چاہو، تو بھی نہیں مٹے گا
اب کے میں نقش اِتنا گہرا بنا رہا ہوں

میرے اندر مرے ہونے کی علامت رکھ دے
اپنی نسبت سے کوئی مجھ میں ضرورت رکھ دے

میں سمجھ لوں گا کہ احوالِ گریزاں میں ہے تُو
میرے بستر پہ کوئی لکھ کے عبارت رکھ دے

سانحے دُور سے ہی ہو کے گزر جائیں گے
اپنی وحشت میں ملا کر مری وحشت رکھ دے

اب مری حاجتیں ناقابل برداشت نہیں
لا مرے دستِ سوالی میں قناعت رکھ دے

ایک افواہ سی پھیلا دے مرے بارے میں
اور پھر شہر میں نقارہء خلقت رکھ دے

رائے ٹکرائے گی تو شور شرابا ہوگا
خامشی سے مرے جذبات میں شدّت رکھ دے

سرد کو جیسے مرے گرم کِیا ہے تُو نے
میرے ہاتھوں میں بھی ایسی کوئی حدّت رکھ دے

مجھ کو بھی چاہیے کچھ اپنی ضمانت کے لیے
لا مرے پاس کوئی اپنی امانت رکھ دے

بات کو وحشت ادراک سے آگے لے چل
میرے سینے میں بھی احساسِ ندامت رکھ دے

مجھ کو بھی شور مچانا ہے سبب سے آگے
تو بھی آئندہ کے پہلو میں حکایت رکھ دے

ایسی ہوتی ہیں فقیرانہ کچھ اُس کی باتیں
شاہ بھی ہو تو وہ دستارِ فضیلت رکھ دے

اِس طرح سامنے بیٹھے ہے مرے وہ محسنؔ
جیسے درویش کے آگے کوئی دولت رکھ دے

گواہی دے رہا ہے سرخ تلواروں کا ہونا
قبیلوں کے لیے زحمت ہے سرداروں کا ہونا

پتا چلتا رہے نان و نمک کا بھاؤ کیا ہے
ضروری ہے بہت شہروں میں بازاروں کا ہونا

مسلسل غائبانہ دستکیں سی ہو رہی ہیں
بُرا لگنے لگا ہے گھر میں دیواروں کا ہونا

مری بیماریاں کہتی ہیں مجھ سے چپکے چپکے
مسیحا کے لیے اچھا ہے بیماروں کا ہونا

ہماری اس سے وابستہ تمنّائیں عجب ہیں
درونِ کورچشمی جیسے نظّاروں کا ہونا

ستارہ، شام، خوشبو، دل، کہانی اور ہم تم
ضروری تو نہیں ہے اِتنے کرداروں کا ہونا

مہیّا کر مرے حسنِ طلب کو پردہ داری
مری بے پردگی ہے تیرے آزاروں کا ہونا

ہمیں بے علّت و اسباب کرتا جا رہا ہے
ہماری طرح دل برداشتہ یاروں کا ہونا

گرفتاری کا مطلب تو گرفتاری ہے محسنؔ
مگر زنجیر سے باہر گرفتاروں کا ہونا؟

میں جو بھاگنے کے لیے مڑا تو زمین اور سکڑ گئی
کہ خراج دینے کے خوف سے مری حیثیت ہی بگڑ گئی

تری عجلتوں کے غیاب نے مجھے واہموں میں چھپا دیا
تری گفتگو کی روا روی کئی جھوٹے واقعے گھڑ گئی

مرا ذہن خانہ بدوش تھا، کوئی کرب ضدِ سروش تھا
سو تضاد سوچ میں آگیا، مری انجمن ہی اُجڑ گئی

کوئی کام تھا جو نہیں ہُوا، کوئی راز تھا جو فنا ہُوا
میں بنا رہا تھا شبیہہ دل پہ لکیر مجھ سے بگڑ گئی

میں بدل کے بھیس چلا گیا صفِ دُشمناں کو پھلانگ کر
میں چراغ لے کے تو آگیا پہ طنابِ خیمہ اُکھڑ گئی

ہوئی چوک کوئی خیال میں، میں خراب ہو گیا خواب میں
مرا وصف حد سے گزر گیا، مری سوچ مجھ سے بچھڑ گئی

مرا لاشعور فعال تھا پڑا مخمصے میں شعور تھا
ترے اختلاف کے خوف سے رگِ جان میری اکڑ گئی

جو ہُوا وہ قابلِ دید تھا، وہ شجر ہَوا کا مرید تھا
جو تھے زرد پتے لگے رہے جو ہری تھی شاخ وہ جھڑ گئی

میں سفر کبھی بھی نہ کر سکا، تری رہگزر کی تلاش میں
کبھی پاؤں میرا پھسل گیا، کبھی خاک آنکھ میں پڑ گئی

تقدیر کو تدبیر سے بدلا نہیں جائے
ہمسائے کا سامان چُرایا نہیں جائے

سمجھو کہ تمنّا میں ملوّث ہی نہیں دل
گر تم سے دُعا مانگ کے رویا نہیں جائے

معصوم بنا دیتی ہے چہرے کو اُداسی
اچھا ہے اُداسی کو چھپایا نہیں جائے

آنکھوں کی حفاظت پہ ہے مامور طبیعت
کیا دیکھیے اُس کو جسے دیکھا نہیں جائے

میں پوری طرح اُس کا کبھی ہو نہیں پایا
یہ غم مجھے دیمک کی طرح کھا نہیں جائے

سچ پوچھیے تو عشق کا ادراک یہی ہے
خود اپنے مسائل کو بھی سمجھا نہیں جائے

ہے آنکھ ترے پاس تو پھر کارِ نظر کر
کس کام کی وہ شے جسے برتا نہیں جائے

بچے ہیں، اُجالے کو اندھیرا نہ سمجھ لیں
بچوں کو اندھیرے سے ڈرایا نہیں جائے

یہ بھید بھی محسنؔ سرِپرواز کھُلا ہے
طائر کے پروں کو کبھی کاٹا نہیں جائے

میں اک مزدور ہوں، اُجرت پہ گھر تعمیر کرتا ہوں
اور اپنی بے گھری کو خواب سے تعبیر کرتا ہوں

مناسب کو الگ کرتا ہوں پہلے نامناسب سے
پھر اس کے بعد تیرے واقعے تحریر کرتا ہوں

سرِ شب بام و در تسخیر کر لیتے ہیں مجھ کو جب
تو پھر میں بھی در و دیوار کو تسخیر کرتا ہوں

سنو! ایمان کی حالت میں مجھ پر حُسن کھلتا ہے
خدا جب یاد آتا ہے تمھیں تصویر کرتا ہوں

مسافت میں، میں خود کو در بدر ہونے نہیں دیتا
میں اپنا دل بھی اپنے پاؤں سے زنجیر کرتا ہوں

مقدّر کوئی اپنی چال چل جاتا ہے چپکے سے
تجھے پانے کی جب بھی میں کوئی تدبیر کرتا ہوں

مری آنکھیں ترے اندر کی بیتابی سے واقف ہیں
دکھائی جو نہیں دیتا وہ میں تصویر کرتا ہوں

الگ کرتا ہوں میں دیگر صدائیں بازگشتوں سے
پھر اک کونے میں گھر کے بیٹھ کے تقریر کرتا ہوں

وہ اِتنی مہرباں مجھ پر ہے کیوں محسنؔ خدا جانے
میں اُس کے نام اپنی کب کوئی جاگیر کرتا ہوں

دُکھوں کو بھول جانے کی ریاضت کر رہا ہوں
میں دل کو دل بنانے کی ریاضت کر رہا ہوں

مجھے لگتا ہے جیسے مجھ سے ملنے آئی ہو تم
سو خود میں لوٹ آنے کی ریاضت کر رہا ہوں

مرے حالات تو کہتے ہیں کہ رونا پڑے گا
مگر میں مسکرانے کی ریاضت کر رہا ہوں

تھکن کو زیر کرلوں میں تو پھر اُس گھر کو جاؤں
مسلسل آنے جانے کی ریاضت کر رہا ہوں

اُسے پانے کی خواہش کیوں نہیں ہو پا رہی ہے
طلبگاری بڑھانے کی ریاضت کر رہا ہوں

مرا کیا واسطہ اعمال کے نعم البدل سے
خدا کو منہ دکھانے کی ریاضت کر رہا ہوں

بڑھاتا جا رہا ہوں وسعتِ ادراک اپنی
گماں سے جاں چھڑانے کی ریاضت کر رہا ہوں

جو کڑیاں وقت نے توڑی ہیں زنجیرِ طلب کی
میں وہ کڑیاں ملانے کی ریاضت کر رہا ہوں

گھٹاتا جا رہا ہوں رفتہ رفتہ وسوسوں کو
کسی سے دل لگانے کی ریاضت کر رہا ہوں

کس قدر جھوٹ بولتے ہیں ہم
گویا دُنیا سے ڈر گئے ہیں ہم

دوسرے پاؤں کی ضرورت ہے
ایک ہی پاؤں پر کھڑے ہیں ہم

چیل، کوّے سلام کرنے لگے
آج شاید کہیں گرے ہیں ہم

موت کو وقت چاہیے صاحب!
زندگی سے بہت بڑے ہیں ہم

کوئی آوازہ ہم پہ کس جائے
ایسے کوئی گرے پڑے ہیں ہم

پیار آتا نہیں ہمیں خود پر
اپنے ماں باپ پر گئے ہیں ہم

اس لیے دوستی کی چڑیوں سے
رزق ان کا بھی ڈھونڈتے ہیں ہم

ہم بڑے ہوگئے نہ جانے کیوں
تُو بتا، کیوں بڑے ہوئے ہیں ہم؟

آئینے میں نظر نہیں آتے
خواب میں قید ہو گئے ہیں ہم

اس قدر سرد ہو گئے جذبات
گرمیوں میں بھی کانپتے ہیں ہم

آج تنہا ہمیں کِیا اُس نے
اِتنے تنہا کہ رو پڑے ہیں ہم

خوب گزری تھی اُس کے ساتھ وہ شام
آج تک چائے پی رہے ہیں ہم

اُس سے ملنے کو جی نہیں کرتا
ایسا لگتا ہے دوسرے ہیں ہم

جب وصال کرتی ہے زندگی سے خاموشی
پیار کرنے لگتی ہے آدمی سے خاموشی

ہم کہاں کے دانا ہیں خاک ایسی دانش پر
ابتدا محبت کی اور ابھی سے خاموشی

خود اُسے سناتی ہے دوستوں کی آوازیں
ہار مان لیتی ہے جب کسی سے خاموشی

پہلے خامشی میرا حوصلہ بڑھاتی تھی
اب مدد کی طالب ہے خود مجھی سے خاموشی

جب کوئی نہ ہو گھر میں خود سے گفتگو کیجے
ورنہ جیت جاتی ہے آدمی سے خاموشی

جب کلام کرتی ہیں مجھ سے اُس کی تصویریں
ہاتھ ملنے لگتی ہے بے بسی سے خاموشی

دونوں روز ملتے ہیں اِس طرح مگر محسنؔ
جیسے کوئی ملتی ہو، خامشی سے خاموشی

قصّہ لکھو تو لفظ کی تکرار سے بچو
مطلب یہ ہے کہ دوہرے کردار سے بچو

گھر میں رہو تو رہنا خدا کی پناہ میں
باہر رہو تو سایہء دیوار سے بچو

بیچا کرو لہو گزر اوقات کے لیے
لیکن ضرورتوں کے خریدار سے بچو

جو آنکھ رحم کھائے وہ کشتِ غرور ہے
گر عشق ہے تو حُسن کی بیگار سے بچو

اچھا ہے اپنے ساتھ رکھو پُر خلوص لوگ
لیکن زیادہ صاحبِ ایثار سے بچو

ہر موڑ ٹھیک وقت پہ کاٹو سرِ سفر
کہنا یہ ہے کہ فتنہء رفتار سے بچو

پتھر بنو کہ چرس پیو یا مچاؤ شور
کچھ بھی کرو پہ سوچ کے آزار سے بچو

جیبوں کے ساتھ ساتھ ہی جل جائے گا وجود
وہ ساتھ ہو تو گرمیِ بازار سے بچو

نیند آ سکے تو دیکھنا مرضی سے اپنے خواب
جاگو تو جھوٹی صبح کے آثار سے بچو

ہر ایک شخص مخالف گواہ ہو جیسے
اُداس ہونا بھی کوئی گناہ ہو جیسے

عجیب ہوتا ہے ترکِ تعلّقات کا دُکھ
دل و دماغ سے جبراً نباہ ہو جیسے

محبتوں میں تشکّک کی اصطلاح نہ پوچھ
خود اپنے ہاتھوں ہی کوئی تباہ ہو جیسے

کسی سے گفتگو کرتے ہوئے جھجکتا ہوں
رکی ہوئی مرے ہونٹوں پہ آہ ہو جیسے

یہ آسمان و زمیں تنگ پڑ رہے ہیں مجھے
مری پناہ میں وہ بے پناہ ہو جیسے

میں آنے والے عذابوں سے چھپ کے بیٹھا ہوں
کسی سے وعدہ خلافی گناہ ہو جیسے

گزر رہے ہیں مرے سائے پہ سے ایسے لوگ
مرا وجود کوئی زادِ راہ ہو جیسے

بڑی گرفت ہے اُس کے فراق کی مجھ پر
مرے ہر ایک عمل کا گواہ ہو جیسے

بغیر کھولے ہی خط پڑھ رہا ہوں میں محسنؔ
مری نگاہ بھی اُس کی نگاہ ہو جیسے

روشنی ہم پر پڑی تو روشنی کے ہوگئے
اُس سے ملنے کیا گئے ہم تو اُسی کے ہوگئے

مصلحت کی تال پر کیا رقص کرنا آگیا
کتنے دعوے دار میری دوستی کے ہوگئے

پھر میں دیوانہ ہُوا اور ایسا دیوانہ ہُوا
معترف سب ہی مری دیوانگی کے ہوگئے

مغفرت آواز دیتی ہی رہی آخر تلک
اور ہم ایسے کمینے زندگی کے ہوگئے

بھوک بھی کیا چیز ہے اور رزق بھی کیا چیز ہے
جس نے بھی کھانا کھلایا ہم اسی کے ہو گئے

میں تو اُس کو ڈھونڈنے نکلا تھا، لیکن کیا کروں
شہر میں چرچے مری آوارگی کے ہوگئے

رقص کرتی پھر رہی ہیں مہلتیں ہی مہلتیں
دائرے ہی دائرے تیری کمی کے ہوگئے

اک اَچنبھہ، ایک عجلت اور پھر اک حادثہ
ریل گزری اور ٹکڑے آدمی کے ہوگئے

سمندر پر بھی پُل تعمیر کرنا چاہتے ہیں
کہ ناممکن کو ہم تسخیر کرنا چاہتے ہیں

مگر میں اَن گنت سمتوں میں کیوں اُڑنے لگا ہوں
ستارے کیوں مجھے زنجیر کرنا چاہتے ہیں

یہ ساتوں رنگ پاگل ہو گئے ہیں اِن کو روکو
اُداسی کو مری تصویر کرنا چاہتے ہیں

اداکاری سکھا دیجے جنابِ عشق ہم کو
بروئے آئینہ تقریر کرنا چاہتے ہیں

منڈیروں سے کوئی بے موسمی کوّے اُڑا دے
ہماری چپ کو بے تاثیر کرنا چاہتے ہیں

بہت سے لوگ ہیں جو بن کے اچھے دوست میرے
بڑے پن کی مرے تشہیر کرنا چاہتے ہیں

قلم تھامیں! ہماری حیثیت اتنی کہاں ہے
مگر کچھ ہے جو ہم تحریر کرنا چاہتے ہیں

نہیں عجلت بہم دکھ بانٹ لینے کی اُسے بھی
ہم اپنے طور بھی تاخیر کرنا چاہتے ہیں

سو اب محسنؔ ادھوری نیند سو کر اُٹھنے والے
ادھورے خواب کو تعبیر کرنا چاہتے ہیں

کیسے ممکن ہے کہ مردہ کوئی زندہ ہو جائے
یہ تو ممکن ہی نہیں عشق دوبارہ ہو جائے

تجھ سے ہو پائے تو یوں مجھ میں ملوث ہو جا
تیری عادت، مری فطرت کا نظریہ ہو جائے

تُو مری آنکھ کے آنسو کی ریاضت نہ گھٹا
کیا ضروری ہے ہر اک اشک ستارہ ہو جائے

بات کرتے ہوئے ڈرتا ہوں کبھی ایسا نہ ہو
تیری وحشت ،مری وحشت سے زیادہ ہو جائے

دیکھیے ہم بلا تاخیر عمل کرتے ہیں
اِس سے پہلے کہ کوئی اور ارادہ ہو جائے

آج کچھ ایسا سخن میری سماعت میں اُتار
جس کی تاثیر سے چہرہ تروتازہ ہو جائے

وقت کے ساتھ نہ چل، تجھ کو کہاں ڈھونڈوں گا
ایسا مت کر کہ مرا حال گزشتہ ہو جائے

ہم سے دو طرفہ مسافت نہیں ہو پائے گی
دھوپ ہو جائے کبھی یا کبھی سایا ہو جائے

سوچنا چھوڑ دیا اس لیے محسنؔ میں نے
کیا کروں گا میں اگر رنج زیادہ ہو جائے

انہونی کا ہونا، ”ہونا“ کب ہوتا ہے
سب کچھ اپنی مرضی کا سا کب ہوتا ہے

جاتی کب ہے بیماری گر لگ جائے تو
اچھا ہونے والا اچھا کب ہوتا ہے

پوری طرح کب کُھلتا ہے معلوم کسی پر
ہر سچ بولنے والا سچا کب ہوتا ہے

رنجش پڑ جائے تو نکلتی کب ہے دل سے
صاف دلی پر دل آمادہ کب ہوتا ہے

اور تقاضے پورے کرنے بھی ہوتے ہیں
صرف محبت ہو تو گزارا کب ہوتا ہے

ملتے جُلتے ہیں تو ملنے والے لیکن
ملنے کی صورت یہ ملنا کب ہوتا ہے

عشق میں عشق کی تہہ داری تو رکھنی ہوگی
بن پانی کے کوزہ کوزہ کب ہوتا ہے

تاویلیں پھیلاؤ بڑھا لیتی ہیں، ورنہ
سود و زیاں میں فرق زیادہ کب ہوتا ہے

کیوں اُس کی مشکوک نظر کا باعث پوچھیں
ہم کو خود پر بھی تو بھروسا کب ہوتا ہے

مرا ہونا اچانک مجھ پہ کیسے کھل گیا ہے
مجھے لگتا ہے کوئی مجھ سے وابستہ ہُوا ہے

میں پہلی مرتبہ اندر سے کچھ جڑنے لگا ہوں
کہ پہلی بار تجھ کو سوچنا اچھا لگا ہے

ابھی آنکھوں کی صورت کب مری آنکھیں کھلی ہیں
ابھی تو اُس کی جانب غور سے بھی دیکھنا ہے

میں ششدر رہنے کی پاداش میں مارا گیا ہوں
نہ جانے کس طرح ہر شخص زندہ رہ رہا ہے

کہاں کَستے تھے پہلے لوگ آوازہ کسی پر
نہ جانے شہر کا ماحول کیسا ہو گیا ہے

طریقے جان پایا ہوں ابھی کب بندگی کے
ابھی تو اِتنا جانا ہے کہ ہر شے میں خدا ہے

مرے معبود! تھوڑا سا مرے قد کو بڑھا دے
کہ اک چڑیا کا بچہ گھونسلے سے گر پڑا ہے

تلاشِ گمشدہ میں مل گئے کتنے جزیرے
مگر جو گمشدہ تھا، وہ ابھی تک گمشدہ ہے

کہتا ہے جنوں ہم سے کہ گھر بار نہ رکھنا
اور جیب میں بھی درہم و دینار نہ رکھنا

ممکن ہو تو وحشت کا الگ شہر بنالو
اس شہر میں لیکن کوئی بازار نہ رکھنا

سینے میں چُبھن ہو تو بدن خوش نہیں رہتا
دل رکھنا تو دل میں کوئی آزار نہ رکھنا

فرصت کے لیے اپنا الگ وقت بنالو
اور وقت میں بھی وقت کی رفتار نہ رکھنا

مر جاؤ گے گر ہوگیا تنہائی کا احساس
جاگو بھی تو اعصاب کو بیدار نہ رکھنا

جو ہو، اُسی ہونے میں ملوّث کرو خود کو
پہلے سے کبھی ذہن کو تیار نہ رکھنا

اِس دور میں تو عشق کا کرنا بھی ہو جیسے
قصّے میں کوئی مرکزی کردار نہ رکھنا

رہنے کے لیے آئے ہیں ہم گھر میں تمھارے
جیسے بھی رکھو پر ہمیں بیمار نہ رکھنا

اچھی جو لگے شے اُسے اچھا کہو محسنؔ
پر دل کو کسی شے کا طلبگار نہ رکھنا

باہر کو بھی اندر رکھنا سیکھ لیا ہے
ٹھیک سے ہم نے اب گھر رکھنا سیکھ لیا ہے

حق تلفی پر اپنی اب ہم ہنس دیتے ہیں
یعنی دل پر پتھر رکھنا سیکھ لیا ہے

دل کے بغض ہی ایسے تھے تو ہم کیا کرتے
خود کو خود سے باہر رکھنا سیکھ لیا ہے

غم نے مجھ پر مٹّی کے گُن کھول دیے ہیں
میں نے پاؤں زمیں پر رکھنا سیکھ لیا ہے

ہم اب مٹّی کو بھی سونا کر لیتے ہیں
اپنے ساتھ مقدّر رکھنا سیکھ لیا ہے

سیکھ لیا ہے ہم نے اُس سے شکوے کرنا
اور آنکھوں کو بھی تر رکھنا سیکھ لیا ہے

اب میں اُس کی زلفوں کو سلجھا سکتا ہوں
اُس نے کاندھے پر سر رکھنا سیکھ لیا ہے

چپ رہنے کی عادت کام میں آئی اپنے
یعنی لب کو لب پر رکھنا سیکھ لیا ہے

دل نہ دُکھانا ورنہ محسنؔ اب ہم نے بھی
ہر میزان برابر رکھنا سیکھ لیا ہے

پیچھے مت دیکھنا موجود پرانا ہوگا
اور تمھیں گزرے ہوئے وقت میں جانا ہوگا

جوڑ تو خود میں لگانے ہی پڑیں گے تم کو
نامکمل کو مکمل تو بنانا ہوگا

خود ہی ہر خواب کی تعبیر بنانی ہوگی
اور تعبیر سے پھر خواب بنانا ہوگا

تم اگر چاہتے ہو دل کی گرہ کھل جائے
دوست سے معذرت کرنے تمھیں جانا ہوگا

آگ کتنی ہی نئی خود میں لگالو لیکن
جو دھواں تم میں سے نکلے گا، پرانا ہوگا

اور دروبستِ خموشی کے تشخص کے لیے
بعض اوقات تمھیں شور مچانا ہوگا

لکھنا ہوگا بلا مرضی کے بھی قرطاس پہ کچھ
اور کچھ لکھے ہوئے کو بھی مٹانا ہوگا

قرض اُس آنکھ سے لینا کوئی آساں تو نہیں
مستحق ہو اُسے محسوس کرانا ہوگا

چاہتے ہو کہ ملے تازہ خبر روز تو پھر
عشق کو سوچ کی بنیاد بنانا ہوگا

میں تجھ کو، تُو مجھ کو کھول
کچھ میں بولوں کچھ تو بول

ہم نے تو سچ بولا تھا
بات میں آتا کیسے جھول

اب ایسی بھی بندش کیا
ساتھی کچھ تو گرہیں کھول

اپنے ہاتھوں بیچ مجھے
اور وہ بھی مٹّی کے مول

گاہک تو بس اس کا ہے
جو بھی تولے پوری تول

وحشت کے اَسرار سمجھ
وقت سے پہلے بھید نہ کھول

اب جو میں نے چپ سادھی
سنّاٹے کی کھل گئی پول

رات بھی خوب گزرتی ہے
جیسے کوئی پیٹے ڈھول

لوگ دُکانوں میں محسنؔ
رکھ لیتے ہیں خالی خول

ہر نفس عمر ڈھلتی رہتی ہے
اور کہانی بدلتی رہتی ہے

سوچنا احتساب ہو جیسے
جان جیسی نکلتی رہتی ہے

پہلے آتا تھا لطف یادوں میں
اب تو بس آگ جلتی رہتی ہے

عشق تو چھو کے جاتا ہے اور پھر
عشق کی رسم چلتی رہتی ہے

کچھ خیالوں کی چھیڑ خانی سے
بے خیالی سنبھلتی رہتی ہے

جب بھی اُس گھر کی سمت جاتا ہوں
خود بخود دھوپ ڈھلتی رہتی ہے

اب وہ بس گفتگو نہیں کرتی
کروٹیں بھی بدلتی رہتی ہے

دل دھڑکتا ہے گویا سینے میں
گیند جیسی اُچھلتی رہتی ہے

سانس آہستہ لیتا ہوں محسنؔ
پر ہوا تیز چلتی رہتی ہے

مضطرب ہونا ہی میرا، مری پہچان ہُوا
جب بھی حیران ہُوا، ٹھیک سے حیران ہُوا

ایک دن عشق ہُوا تھا یہ مجھے یاد تو ہے
پر نہیں یاد، میں کب چاک گریبان ہُوا

کی تکبّر نے ندامت کی پذیرائی بہت
یار کا یار پہ جب بھی کوئی احسان ہُوا

میں کبھی رویا نہ تھا، آج جو رونا آیا
خوب حیران ہُوا، خوب پشیمان ہُوا

خود فریبی بھی مری پوچھ رہی ہے مجھ سے
کون سا مرحلہ ایسا ہے جو آسان ہُوا

زحمتِ چارہ گری اُس کو نہیں دی میں نے
اپنے ہی گھر میں رہا اپنا ہی مہمان ہُوا

بات سے بات نہ نکلے تو کوئی بات ہوئی؟
دھیان میں کچھ نہیں آئے تو کوئی دھیان ہُوا؟

دو نفل پڑھتا ہوں گھر آتے ہی شکرانے کے
جب ملا اُس سے میں، تازہ مرا ایمان ہُوا

سوچ زخمی ہو تو سوچا نہیں جاتا کچھ بھی
وہ گیا کام سے جو شخص پریشان ہُوا

میں رات اور وقت کے آہنگِ برجستہ میں رہتا ہوں
مگر انہونیوں میں قید ہوں ”کوما“ میں رہتا ہوں

مجھے معلوم ہے ویرانیاں اس سے پشیماں ہیں
اُسے معلوم ہے میں کون سے صحرا میں رہتا ہوں

میں اپنا خواب خود تخلیق کرنے کے تذبذب میں
کسی کے اضطرابوں کے تہہ و بالا میں رہتا ہوں

ادھورا رزق ملتا ہے تو کل کی فکر رہتی ہے
میں اپنے دور میں رہ کر بھی آئندہ میں رہتا ہوں

مرے اک دوست نے جب قیمتاً مجھ سے کتابیں لیں
مجھے ایسا لگا میں دوسری دنیا میں رہتا ہوں

نہیں آتی در و دیوار سے خوشبو نہ آوازیں
مگر میں آج بھی اپنی اِسی کُٹیا میں رہتا ہوں

محبت کر مگر پانے کی مجھ کو جستجو مت کر
میں اک موجودگی کے شہرِ نادیدہ میں رہتا ہوں

مخل ہونا اُسے بھی خوب آتا ہے خیالوں میں
ملوّث میں بھی اس کے عالم تنہا میں رہتا ہوں

مقدّر ڈھونڈتا پھرتا ہے میرے جاگنے کے دن
مگر میں نیند میں ڈوبی ہوئی آشا میں رہتا ہوں

مزہ ہونے کا خدّوخال کے پاتا نہیں ہے
عجب چہرہ ہے جس کو آئینہ بھاتا نہیں ہے

نئی بے خبریوں کی لوح پر فریاد لکھنا
اک ایسا خواب ہے جو خواب کہلاتا نہیں ہے

رواداری کے مصنوعی اُصولوں کو نہ اپنا
یہ ایسا روگ ہے، لگ جائے تو جاتا نہیں ہے

مرا ہونا کسی پس پردگی میں گم ہے شاید
مقدّر ڈھونڈتا ہے پر مجھے پاتا نہیں ہے

ہے مجھ میں سائلوں کا شہر اک آباد لیکن
کوئی سائل یہاں کا ہاتھ پھیلاتا نہیں ہے

ہمارے دُکھ! ہمارے دُکھ نہیں ہیں، واہمے ہیں
گماں ہوتا تو ہے لیکن یقیں آتا نہیں ہے

مسیحا خود مرے بیمار پڑ جاتے ہیں اکثر
مرض میرا مسیحاؤں کو اپناتا نہیں ہے

یہاں سب منتظر ہیں آخری آنسو کے میرے
مری آنکھو! تمھیں کچھ دیکھنا آتا نہیں ہے

میں ایسی وقت کی پاتال میں رہتا ہوں محسنؔ
جہاں باطن سے ظاہر کا کوئی ناتا نہیں ہے

بازگشتوں میں بولتی ہو تم
میری خبروں کی مخبری ہو تم

کتنا سوز و گداز ہے تم میں
کون سی آگ میں جلی ہو تم

روز مرّہ میں ڈھل گیا ہے عشق
کل بھی تم ہی تھیں، آج بھی ہو تم

اپنے ہونے پہ فخر ہے مجھ کو
واقعی ساتھ دے رہی ہو تم

کافی چھوٹی ہو عمر میں مجھ سے
تجربے میں مگر بڑی ہو تم

کتنی پُر نور ہو گئی آنکھیں
سامنے جیسے آ کھڑی ہو تم

پڑ گیا کم مرا جنوں مجھ کو
کس قدر مجھ کو چاہتی ہو تم

رات بھر جاگتی ہی رہتی ہو
کیوں مرا پہرہ دے رہی ہو تم

خود سے ملتا ہوں جب تو سوچتا ہوں
کیسے جنگل میں آپڑی ہو تم

خو تمھاری بُری نہیں لیکن
بات یہ ہے کہ سوچتی ہو تم

میرا ظاہر حصار میں رکھ کر
میرے اندر سما گئی ہو تم

تم بھی کیا چیز ہو کہ جب دیکھو
ایسا لگتا ہے دوسری ہو تم

شعر کہتا ہوں تب یہ کھلتا ہے
واقعی میری شاعری ہو تم

کون ہو تم خبر نہیں لیکن
جو بھی ہو چیز کام کی ہو تم

حوصلہ جان مجھ میں ڈال گیا
دل ترے رنج کو سنبھال گیا

جاں کنی میرے اختیار میں تھی
میں بُرے وقت کو بھی ٹال گیا

مجھ پہ شب خون مارنے والا
خود بھی ہو کر بہت نڈھال گیا

اے غمِ روزگار تف تجھ پر
کوئی اِس گھر سے پُر ملال گیا

واہمہ تھا ترے بچھڑنے کا
پر مری جان سی نکال گیا

تیرے بارے میں کچھ نہیں سوچا
پھر بھی تیری طرف خیال گیا

اُس نے دو ٹوک گفتگو کی تھی
میں مگر بات کو سنبھال گیا

ہو گئے شل ہمارے جب اعصاب
تب طبیعت سے اشتعال گیا

میں یہ سمجھوں گا جی لیا محسنؔ
اپنا بچہ اگر میں پال گیا

لذّتِ آوارگی نے کر دیا بے باک بھی
شور کرتا ہے جنوں کے ساتھ اب ادراک بھی

مطمئن مت ہو ! میسّر کے تماشے کو سمجھ
زندگی اپنے تئیں ہوتی ہے حیرت ناک بھی

خواہشوں کی آنچ نے سب کو مقدّس کر دیا
ایک ڈھب پر چل رہے ہیں پاک بھی ناپاک بھی

مصلحت کرنے لگا ہے اِن دنوں ہر مدّعا
میرے بستر کی طرح چپ ہیں خس و خاشاک بھی

روز و شب ہونا بھی جیسے میرے ذاتی کام ہوں
مشورے کرتی ہے مجھ سے گردشِ افلاک بھی

خوب رکھتے ہیں تعلق نفع و نقصان سے
آئینہ دارانِ وحشت ہیں بہت چالاک بھی

لوٹ جانا چاہتے ہیں اپنے مرکز کی طرف
میں بھی، وہ بھی، قلب و جاں بھی، جسم بھی ،پوشاک بھی

دیکھ اب ہم سے مروّت کی توقع ہے عبث
دل دُکھا انسان ہو جاتا ہے کچھ سفّاک بھی

جاں کنی کی رُت ! مرے اندر سے آہستہ گزر
میری شہ رگ میں پڑی ہے بن کُریدی راکھ بھی

خامیاں ڈھونڈ ہی لیں اُس نے مری یاری میں
آ گیا ایک تعطّل سا طلبگاری میں

خواب چہرے پہ خراشیں نہیں ڈالا کرتا
ہاتھ سے چھوٹتا ہے آئینہ بیداری میں

کون جانے تری اک دن کی ملاقات کے بعد
دوسرا دن بھی گزر جاتا ہے سرشاری میں

عشق کرنا تو کوئی نشّہ بھی کرتے رہنا
ورنہ تاخیر بہت ہوتی ہے تیّاری میں

اُس نے یہ کہہ کے دوبارہ مجھے بیمار کِیا
سچ بہت بولتا ہے آدمی بیماری میں

بات کھلتی ہے مگر اس سے ملاقات کے بعد
جھیل جاتے ہیں کئی رنج رواداری میں

کھیل، مصنوعی کہانی کی ہے تمثیل مگر
کتنی سچائیاں ہوتی ہیں اداکاری میں

حال بگڑے تو بگڑتا ہی چلا جاتا ہے
بات اچھی بھی بُری لگتی ہے بیکاری میں

کام سب قرب و تقرب کے نمٹتے ہیں کہاں
وقت تو سارا گزر جاتا ہے تیّاری میں

وحشت نے تسلیم کرائے ہنگامہ آرائی کے کام
اُس نے میرے ذمّے ڈالے عشوہ اور انگڑائی کے کام

ایک نظر کیا اُس کو دیکھا کھل گئے سب حیرت کے قفل
آج تلک نمٹا نہیں پائے ہم اپنی بینائی کے کام

ہم لہروں سے کھیلنے والے اپنی حد سے کیوں گزریں
پانی کی گہرائی جانے، پانی کی گہرائی کے کام

عشق نے اچھا کر رکھا ہے خوب مشقّت کرتے ہیں
دن میں مزدوری کرتے ہیں، شب کو بزم آرائی کے کام

جیسے کوئی پھنس جاتا ہو قد سے گہری دلدل میں
تنہائی سے مشکل نکلے اسبابِ تنہائی کے کام

دانش جن کے ردِ عمل سے حیرت میں پڑ جاتی ہے
نادانستہ ہو جاتے ہیں کچھ ایسے دانائی کے کام

اپنے دلوں کے درباروں میں عدل کی خود زنجیر ہلائیں
تم گھر کے جھگڑے نمٹاؤ، ہم باہر مہنگائی کے کام

مزدوروں کو کرنے پڑ جاتے ہیں اکثر اُجرت پر
تعمیراتی دُنیا میں بھی بِن چاہے پسپائی کے کام

بارش میں اعصاب ہمارے شور مچاتے رہتے ہیں
ساون کی رُت محسنؔ ہم سے لیتی ہے پُروائی کے کام

کیسا دیوانہ ہو گیا تھا میں
موت کو مارنے چلا تھا میں

اُس زمانے میں اُس نے ساتھ دیا
جس زمانے میں بے وفا تھا میں

اپنے کچھ جھوٹ لکھنے کے دوران
اُس کا اک سچ بھی لکھ گیا تھا میں

کس رہی تھی وہ مجھ پہ آوازہ
اور بس چائے پی رہا تھا میں

وہ کہانی پرائے شخص کی تھی
جس کہانی کا سلسلہ تھا میں

جن دنوں پھول بھیجتی تھیں تم
اُن دنوں خود سے لڑ رہا تھا میں

گردشِ وقت ڈر گئی مجھ سے
آپ کو یاد کر رہا تھا میں

جن دنوں نیند مجھ کو آتی تھی
اُن دنوں کتنا جاگتا تھا میں

ایسا لگتا ہے دوسری تھیں تم
ایسا لگتا ہے دوسرا تھا میں

تم نے دریافت کر لیا مجھ کو
واقعی ورنہ لاپتا تھا میں

سب پرندے خلا میں ٹھہر گئے
ہاتھ میں دل لیے کھڑا تھا میں

آسماں تک گئی تھی اُڑ کے خاک
اِس قدر زور سے گرا تھا میں

وہ ایک لمحۂ مہلت جو ناگہاں آیا
لیے قدیم زمانے کا سا دُھواں آیا

مراد پانے کی دُھن میں ہمیں خبر نہ ہوئی
اُداسیوں کا زمانہ بھی درمیاں آیا

جو قفل ہم میں لگے تھے وہ اُس نے کھول دیے
ہمیں یقینِ علاماتِ جسم و جاں آیا

جب اُس نے آ کے مسائل پہ گفتگو چھیڑی
مجھے لگا کہ مرا کوئی مہرباں آیا

عجیب بھیڑ تھی مڈبھیڑ اُس سے ہو نہ سکی
کوئی نہ کوئی مرے اُس کے درمیاں آیا

روایتاً ہی ملاقات اُس سے کی ہر شام
میں خوش ہُوا تو مگر ہو کے سرگراں آیا

ہمارے انت کا لمحہ تو کھل گیا ہم پر
جنوں کے انت کا لمحہ مگر کہاں آیا

محبتوں میں کھلا ذہن بھی معمّہ ہے
یقیں کی زد پہ ہمیشہ کوئی گماں آیا

مگن تھا تکیہ و بستر کے دھیان میں محسنؔ
مگر مکیں کے تصرّف میں جب مکاں آیا!

وقت ہے فیصلے بدلنے کا
قوس اور زاویے بدلنے کا

دل مسافر عجیب ہے جس کو
شوق ہے راستے بدلنے کا

زندگی جس کو کہہ رہے ہیں ہم
شغل ہے مشغلے بدلنے کا

پھر ملا ہم کو اذنِ ہست و بود
اپنے اپنے پتے بدلنے کا

میں نے تبدیل کر لیا خود کو
قصد ہے اب اُسے بدلنے کا

عشق نے دی عجیب مزدوری
کام ہے مسئلے بدلنے کا

مجھ کو یہ غم کہ رائے مل نہ سکی
اور اُسے دُکھ مرے بدلنے کا

آج تک ہم سمجھ نہیں پائے
کیا سبب ہے ترے بدلنے کا

عشق اک اختیار ہے محسنؔ
ذات کو ذات سے بدلنے کا

شہر میں ہم اپنے دُشمن آپ کہلاتے رہے
اور ہم خودداریوں پر اپنی اِتراتے رہے

مفلسی کے دور میں بھی ساکھ رکھنے کے لیے
تھیلا لے کر ہاتھ میں بازار ہم جاتے رہے

وقت ضائع ہو رہا تھا خودبخود اپنے تئیں
ہم مگر ناوقتیوں کو کام میں لاتے رہے

ہر مرض اپنے طریقے سے ہنر کرتا رہا
اور ہم اپنے طریقے سے دوا کھاتے رہے

اُس کے پیش و پس میں بھی بھرتے رہے چنگاریاں
اور ہم اپنے بھی اندر آگ بھڑکاتے رہے

اور تو کچھ بھی نہیں بدلا ترے جانے کے بعد
بس مرے اعصاب میرے ہاتھ سے جاتے رہے

میں تو بڑھتا جا رہا تھا احتجاجاً سوئے دار
اور خیر اندیش میرے ہاتھ لہراتے رہے

عشق کیا تھا گویا بس اک کیمرا چلتا رہا
اور اس کے ساتھ ہم تصویریں کھنچواتے رہے

جب بھی اُس کا دھیان آیا قلب جاری ہو گیا
درد بھی اُٹھتا رہا تسکین بھی پاتے رہے

جب بھی سر گھوما پرانا واقعہ دُہرا لیا
بھیڑ میں جا کر کسی کے سر سے سر ٹکرا لیا

اب پسینہ بھی ہمیں آنے لگا وحشت کے بعد
ایسا لگتا ہے کہ ہم کو زندگی نے پالیا

کس قدر خالی جگہ تھی میرے ذہن و دل کے بیچ
سکھ کو بھی اپنا لیا اور دُکھ کو بھی اپنا لیا

مصلحت سے حل کیے سب مرحلے تاخیر کے
اُس کو بھی سمجھالیا اور خود کو بھی سمجھا لیا

بات اُس کی پھر اچانک ہی سمجھ میں آگئی
قلب جاری کر رہا تھا جسم نے جھٹکا لیا

گھر سے نکلے تھے کہ ڈھونڈیں کوئی اچھا روزگار
بس اچانک ناتوانی نے ہمیں اُلجھا لیا

کیوں ترے ہوتے ہوئے آخر ہوئی ہے واردات
دوسرے کے ہاتھ سے بھی پان ہم نے کھا لیا

کیا کریں کہ گھر گئے تھے گرمیِ بازار میں
ساتھ اک سودے کے ہم نے دوسرا سودا لیا

گفتگو کے داغ محسنؔ خامشی سے دُھل گئے
ہم نہ بولے جب تو سارے شہر نے اپنا لیا

ہنسنا اچھا لگتا ہے کبھی رونا اچھا لگتا ہے
دل سے اُس کی باتیں کرنا کیسا اچھا لگتا ہے

ہم بھی کیسے زندہ ہیں کہ آج تلک معلوم نہیں
اچھا کیا نہیں لگتا ہم کو اور کیا اچھا لگتا ہے

ہم نے تیری خاطر خود سے جھگڑا کرنا سیکھ لیا
کچھ دن سے اب ہم کو بھی ہنگامہ اچھا لگتا ہے

شاید کوئی اچھی خواہش دل کے اندر ہے جو ہمیں
آزاروں کی دُنیا میں بھی جینا اچھا لگتا ہے

دل کہتا ہے اس سے جھگڑیں، اور جھگڑا ہونے کے بعد
دیر تلک ہم دونوں کو سنّاٹا اچھا لگتا ہے

اب تو ہم کو اُس کے سارے حلیے اچھے لگتے ہیں
اور چراغوں کا بھی جلنا بجھنا اچھا لگتا ہے

ایسی باتیں کرتے ہیں جو اُس کو غصّہ آجائے
ہم کو اُس کا غصّے میں کھل جانا اچھا لگتا ہے

اپنے گھر کی تقریبوں میں ہم کو بھی بلوایا کر
ہشیاروں کی محفل میں دیوانہ اچھا لگتا ہے

محسنؔ اپنی بینائی کے انگ بدلتے رہتے ہیں
بوڑھا اچھا لگتا ہے، کبھی بچہ اچھا لگتا ہے

اُسی کے دست و دہن بے قرار ہوتے ہیں
ہم اُس کے قرب میں بے اختیار ہوتے ہیں

وہ اپنی زلف ہمیشہ دراز رکھتی ہے
اُسے خبر ہے کہ ہم بھی فرار ہوتے ہیں

یہ آنکھ اُس کی طرف بار بار اُٹھتی ہے
سو حادثے بھی یہاں بار بار ہوتے ہیں

بڑا ہی ناز تھا ہم کو حواس پر اپنے
کھلا یہ بھید کہ یہ بھی فگار ہوتے ہیں

انا کی قید میں رہتے ہیں ایک مدّت تک
وہ واقعے جو سرِ انتظار ہوتے ہیں

بڑا کمال ہے پاگل دکھائی دینا بھی
یہی تو لوگ بہت ہوشیار ہوتے ہیں

وہ اپنے خفیہ طریقے بھی آزماتی ہے
اُسے خبر ہے کہ ہم بے قرار ہوتے ہیں

جو ہم نے مانگی اجازت تو اُس نے ہنس کے کہا
الگ سے بھی تو کئی اختیار ہوتے ہیں

ترے وجود کا منصب بتا رہا ہے تجھے
یہی تو عشق ہے جو سچ سکھا رہا ہے تجھے

میں اعتبار ہوں تیرا مجھے خراب نہ کر
مرا یقین دُکھوں سے بچا رہا ہے تجھے

یقین کر ترا اِس میں کوئی قصور نہیں
مرا جنون ہی پاگل بنا رہا ہے تجھے

یہ کیسا وقت ہے جو رُک نہیں رہا مجھ سے
یہ اپنے ساتھ کہاں لے کے جا رہا ہے تجھے

مرے سخن نے توجّہ تری نہیں پائی
مرا خیال ہے کچھ یاد آ رہا ہے تجھے

یہ تیری بھوک ہے جو تجھ پہ آشکار نہیں
ترا وجود ہی اندر سے کھا رہا ہے تجھے

ہے تجھ میں کچھ جو تری دسترس سے باہر ہے
ہے کوئی ڈر جو مرے پاس لا رہا ہے تجھے

کہا ہی کچھ نہیں میں نے جو لفظ واپس لوں
ہوا کا شور عبث ورغلا رہا ہے تجھے

یہ وہ ہی حرف ہے جو میں نے لکھ کے کاٹا تھا
رُلا رہا ہے مجھے اور ہنسا رہا ہے تجھے

تُو محبت ہے تو کوئی حادثہ ہونے نہ دے
میں فنا ہونا بھی چاہوں تو فنا ہونے نہ دے

تُو چھٹی حِس بن کے مجھ میں جاگ مجھ کو بھی جگا
اور مرے اطراف میں بھی حادثہ ہونے نہ دے

گہرے ہونے دے مراسم خامشی کے دوش پر
اور کچھ دن گفتگو کی ابتدا ہونے نہ دے

عشق کھلنے ہی نہیں دیتا کسی تاثیر کو
زہر سے مرنے نہ دے، مے کا نشہ ہونے نہ دے

اب تو ہر حالت سے اپنی خوف آتا ہے مجھے
خوف بھی ایسا جو اُس کا حق ادا ہونے نہ دے

جز پسینہ پونچھنے کے اور ہم کرتے بھی کیا
وہم ہو جائے تو کچھ اچھا بُرا ہونے نہ دے

میری خواہش ہے کہ اُس کو حد سے بڑھ کے پیار دوں
اور وہ ہے کہ مجھ کو خود سے آشنا ہونے نہ دے

یہ زمانہ بھی ہو جیسے میرے اندر کی فضا
درد دے اور درد کو بھی لا دوا ہونے نہ دے

میں تو دیوانہ ہوں محسنؔ میرا کیا کچھ بھی کروں
یہ تو اُس کا کام ہے مجھ سے خطا ہونے نہ دے

خوشبو سی آئی اور میں مجذوب ہوگیا
دل خود بخود ہی عشق سے منسوب ہوگیا

دو طرفہ انتقام لیا مجھ سے عشق نے
میں دل کا اور دل مرا معتوب ہوگیا

مجھ کو تو اپنی ذات کا ادراک تک نہیں
یہ دُکھ نہ جانے کس طرح مرغوب ہوگیا

میں نے تو احتجاج کِیا ہی نہیں کبھی
پھر کیسے میرِ شہر کو مطلوب ہوگیا

خوش ہوں کہ میرے عشق کی قیمت نہیں لگی
اچھا ہُوا غریب کا محبوب ہوگیا

پہلے مرے شعور پہ غلبہ رہا اُسے
پھر میرا لاشعور بھی مغلوب ہوگیا

پہچان ہی نہ پائے وہ دار و رسن مجھے
میری بجائے آئینہ مصلوب ہوگیا

ایسی ہوا چلی کہ نگاہیں بدل گئیں
دامن اُڑا تو جسم ہی معیوب ہوگیا

پوچھا جب اُس نے جاتے ہوئے آخری سوال
میں آخری سوال سے مرعوب ہوگیا

سکوت کہتا ہے: طوفان آنے والا ہے
ہمارے ساتھ اُسے بھی اُڑانے والا ہے

میں اُس کے دل میں جب اُترا تو یوں لگا جیسے
اِس انجمن میں کوئی اور آنے والا ہے

وہ ایک ہاتھ ملائم سا یعنی اُس کا ہاتھ
نیا وجود نیا دل بنانے والا ہے

میں اپنے دل کے لیے فکر مند رہتا ہوں
یہ خوش گمان کوئی زک اُٹھانے والا ہے

میں ہجر کھینچنے بیٹھا تو اک صدا آئی
ابھی نہ روئیں، کوئی مسکرانے والا ہے

سنو! زیادہ تقاضا نہیں کِیا کرتے
تمھارا قرض بھی کوئی چکانے والا ہے؟

یہ کہہ کے دوڑے مرے پیچھے لوگ پکڑو اِسے
یہی ہے وہ جو دلوں کو چُرانے والا ہے

ہم آج چائے پئیں اُس کے ساتھ ہوٹل میں
یہ ٹیلی فون کا بِل بھی تو آنے والا ہے

پاس رکھ کر نشانیاں اپنی
لکھ رہا ہوں کہانیاں اپنی

ختم کیں مہربانیاں اُس نے
رہ گئیں خوش گمانیاں اپنی

تلخ لہجے میں اُس کے بولتی ہیں
اِن دنوں بے زبانیاں اپنی

کچھ تو وہ خوش گماں زیادہ تھی
اور کچھ بدگمانیاں اپنی

جسم کے ہیں مکالمے کچھ اور
بولیاں بولتی ہے جاں اپنی

کون سنتا ہے اَن کہی باتیں
ہیں عبث لن ترانیاں اپنی

کوئی گاہک کبھی نہیں آتا
پر کھلی رہتی ہے دکاں اپنی

ك

کان دیوار سے لگائے ہوئے
سُن رہا ہوں کہانیاں اپنی

ہم پہ احساں نہیں جتایا کر
پاس رکھ مہربانیاں اپنی

اچھا کچھ اپنے بارے میں سوچا نہیں گیا
دل کو مگر اُداس بھی رکھا نہیں گیا

اک دوسرے کا حال ہی بس پوچھتے رہے
جو پوچھنا تھا واقعی پوچھا نہیں گیا

خود کو بہت سنبھال کے رکھتے رہے ہیں ہم
خود کو مگر سنبھال کے رکھا نہیں گیا

شاید وہ آج مجھ سے زیادہ اُداس تھی
اُس سے مری ہنسی کو سراہا نہیں گیا

ہم سوچنے لگے تو پرائے سے ہوگئے
اور اِس پرائے پن کو چھپایا نہیں گیا

فطرت تو کام کرتی ہے دانش بغیر بھی
انگارہ منہ میں ڈالا تو نگلا نہیں گیا

خنجر بدست ہو کے بھی ہم رحم دل رہے
جو مستحق تھا اُس کو بھی مارا نہیں گیا

ہم تیرے پاس ہوتے ہوئے کیوں اُداس ہیں
اِس مسئلے پہ سوچا تو سوچا نہیں گیا

محسنؔ عجیب ہوتا ہے حد بندیوں کا روگ
گو صلح ہوگئی ہے پہ جھگڑا نہیں گیا

اُس کی آنکھوں کے دیے پہلے جلے ہیں مجھ سے
تجربے اُس کے بہرطور بڑے ہیں مجھ سے

اُس کو پالوں تو اُداسی سے فراغت پاؤں
میرے دُکھ درد تو سارے ہی بنے ہیں مجھ سے

یاد رکھنا بھی جنھیں کارِ ندامت ٹھیرے
ایسے کلمات بھی کچھ اُس نے کہے ہیں مجھ سے

میرے لکھے ہوئے الفاظ وکیلوں کی طرح
بحث و تکرار بھی اب کرنے لگے ہیں مجھ سے

کیا عجب لوگ ہیں کہ زہر پلا کر مجھ کو
زہر کا ذائقہ بھی پوچھ رہے ہیں مجھ سے

کن کھجورے تری تشکیک کے اور وہم کے سانپ
کس محبت سے سبھی لپٹے ہوئے ہیں مجھ سے

اپنے چہرے پہ بھی ڈالی ہیں خراشیں میں نے
اور کچھ آئینے بھی ٹوٹ گئے ہیں مجھ سے

نیند تو اُڑتی ہی رہتی ہے مگر آج کی رات
میرے کچھ قیمتی لمحے بھی چھنے ہیں مجھ سے

تجربے صرف دُکھوں کے نہیں مجھ کو محسنؔ
اچھے انداز میں بھی دوست ملے ہیں مجھ سے

بے لمس، بے گناہ! جوانی ہوئی کوئی
بس ہم نے جیسے ایک کہانی لکھی کوئی

حالات ہیں کہ جیسے جُوا کھیلنے کا اِذن
دل مضطرب ہُوا ہے کہ بازی لگی کوئی

ہے دل کا اصل عارضہ، یک طرفہ چاہتیں
اِس روگ کو سمجھتا ہے لیکن کوئی کوئی

بھاری پڑی حواس پہ تجدیدِ یادداشت
گویا بھڑکتی آگ پہ مرچی گری کوئی

رہتی ہے یوں ٹکی ہوئی دیوار پر نظر
اس گھر کی سمت جیسے ہو کھڑکی کھلی ہوئی

کیا ہم تمھارے ساتھ بسر کر سکیں گے زیست
کیا تم کو اِس طرح کی ضمانت ملی کوئی

لگتا ہے جیسے کوئی بڑا کام ہوگیا
جب حال پوچھتا ہے ہمارا کبھی کوئی

اچھے دنوں میں جیسے اُسے مل گئے تھے ہم
مل جائے کاش ہم کو بھی ایسا سخی کوئی

کاسے کو پھینک، ہاتھ میں محسنؔ کدال رکھ
خیرات میں تو دیتا نہیں زندگی کوئی

آج تک ہاتھ مرا دستِ دُعا ہی کیوں ہے؟
میرے معبود! مجھے عشق ہُوا ہی کیوں ہے؟

چُوک ہو جائے تو اندر سے ہی آتا ہے عذاب
آدمی اِتنا بُرا تھا تو بنا ہی کیوں ہے؟

پوچھتی رہتی ہے اکثر یہ مری چپ مجھ سے
ضد خموشی کی فقط اُس کی صدا ہی کیوں ہے؟

چابیاں کھو گئیں گھر کی وہ الگ بات مگر
قفل اندر سے مرے گھر میں لگا ہی کیوں ہے؟

دیر تو ہوگی کہانی کو رقم کرنے میں
کام دُشوار ہمیں تم نے دیا ہی کیوں ہے؟

اب تمھیں میری طرح خود سے بھی لڑنا ہوگا
تم نے خدشات کو محسوس کِیا ہی کیوں ہے؟

آگ گر تیری نہیں ہے تو لگی ہی کیوں تھی؟
جسم گر میرا نہیں تھا تو جلا ہی کیوں ہے؟

خود بخود مٹ گئیں سب لکھی ہوئی تحریریں
میں نے کاغذ پہ ترا نام لکھا ہی کیوں ہے؟

خواہشیں اُس نے تو سب مار لیں اپنی محسنؔ
مجھ میں جو کچھ بھی بچا ہے یہ بچا ہی کیوں ہے؟

مری اولاد مجھ سے کٹ گئی ہے
عجب خیرات جیسی بٹ گئی ہے

مری پوشاک، پردہ اور بچھونا
بس اک چادر ہے وہ بھی پھٹ گئی ہے

ادھوری رہ گئی خود احتسابی
مری شہ رگ جگہ سے ہٹ گئی ہے

دلائل اُس کے جھوٹے ہو گئے ہیں
ہماری قدر و قیمت گھٹ گئی ہے

بڑھاپے پر مرے وہ ہنس رہی تھی
میں یہ سمجھا کہ لڑکی پٹ گئی ہے

سنو! کیوں تم ابھی تک رو رہی ہو
سنو! اب تو شبِ غم کٹ گئی ہے

میں خود سے اتنی شدّت سے لڑا تھا
تشدّد سے رگِ جاں پھٹ گئی ہے

گناہوں میں تو اب بھی لذّتیں ہیں
مگر اپنی طبیعت ہٹ گئی ہے

بڑا دُکھ ہے یقیں ہونا گماں کا
مگر دل سے کدورت چھٹ گئی ہے

میں ایسے چل رہا ہوں ہلکے ہلکے
بڑا ہو جیسے بچہ خود ہی پل کے

مری پہچان مجھ سے منحرف ہے
میں کیسا ہو گیا خود سے نکل کے

تصور کا بھرم ہی ٹوٹ جاتا
اگر میں دیکھتا کروٹ بدل کے

خدا جانے مجھے کیا ہو گیا تھا
وہ پہلو سے مرے نکلی مچل کے

پرندے کیوں ابھی تک سو رہے ہیں
پریشاں ہو رہا ہے دن نکل کے

مجھے لگتا ہے میں خود ہی ہدف ہوں
فضا میں رُک گیا ہے تیر چل کے

مگر دن کی طرح یہ دن کہاں ہے
معمّہ بن گئی ہے رات ڈھل کے

پرندے کا لہو محفوظ رہتا
پکڑ لیتا جو میں اُس کو اُچھل کے

لگایا قہقہہ ابرِ کرم نے
اچانک میں گرا جس دم پھسل کے

مناسب وقت پر فریاد کیجے
تحفظ مانگیے لیکن سنبھل کے

مجھے دیوار سے ڈر لگ رہا ہے
یہاں تک آ گئی تصویر چل کے

سبحان اللہ ! ترے ہاتھوں کا کھانا
مزہ دیتا ہے کتنا گوشت گل کے

پتا ہوتا تو میں عریاں نہ ہوتا
بُری لگنے لگی تصویر جل کے

وہ شاید ہم تلک پہنچے نہ محسنؔ
ہمیں جانا پڑے گا خود ہی چل کے

ذہن و دل گئے میرے
خواب ہل گئے میرے

گھر میں بیٹھے بیٹھے ہی
پاؤں چھل گئے میرے

خودکشی معطّل کی
دوست مل گئے میرے

بات بڑھ گئی آگے
ہونٹ ہل گئے میرے

ٹوٹتے ہی آئینہ
عکس مل گئے میرے

باغ ہو گیا میرا
پھول کھل گئے میرے

آج پیشگی مجھ کو
دام مل گئے میرے

آنکھ کے پھڑکتے ہی
ہونٹ سل گئے میرے

چھوتے ہی اُسے محسنؔ
آب و گل گئے میرے

دل پوری طرح عشق میں پاگل بھی نہیں ہے
اور اپنے مسائل کا کوئی حل بھی نہیں ہے

اِس عالم تنہائی میں کیا زیست کریں ہم
مجنوں بھی نہیں ہے یہاں جنگل بھی نہیں ہے

ہم کون ہیں جو تیرگی میں دوڑ رہے ہیں
پھر یہ کہ کسی ہاتھ میں مشعل بھی نہیں ہے

کیا تیرے حوالے سے تکلّم کرے کوئی
اِس شہر میں تو دوسرا پاگل بھی نہیں ہے

یہ کون سا عالم ہے ترے ہجر کا اِمشب
ہیجان تو کیا ذہن میں ہلچل بھی نہیں ہے

کیا آج ہے کہ آج کے دن دھیان میں اپنے
آئندہ تو کیا گزری ہوئی کل بھی نہیں ہے

کس زاویے سے ہم تری تصویر بنائیں
اپنا تو کوئی خواب مکمّل بھی نہیں ہے

کیا عشق ہے کہ خوفِ ملامت کے ہے تابع
کیا فصل ہے کہ پیڑ میں اک پھل بھی نہیں ہے

کیا کام غمِ دل سے لیا جائے کہ محسنؔ
کیفیتِ آزار! مسلسل بھی نہیں ہے

روز اک واقعہ بھی ہوتا ہے
ان میں کوئی بُرا بھی ہوتا ہے

مجھ کو ملتا ہے جب اضافی کچھ
کچھ نہ کچھ لاپتا بھی ہوتا ہے

جنگ کی ابتدا نہ کر ورنہ
آخری معرکہ بھی ہوتا ہے

بات کرتے میں مسکرایا کر
گفتگو میں نشہ بھی ہوتا ہے

جان! درویش تو نہیں ہیں ہم
کچھ تو اچھا بُرا بھی ہوتا ہے

بات بنتی ہے بات کرنے سے
لفظ مشکل کُشا بھی ہوتا ہے

آدمی ہوں، سو معذرت مری جاں!
آدمی، بے وفا بھی ہوتا ہے

پھینکا جاتا ہے کچرا کُنڈی پر
پھر یہ بچہ بڑا بھی ہوتا ہے

جو اپنی بے سرو سامانیاں نہیں ہوتیں
سفر میں اُس کو پریشانیاں نہیں ہوتیں

یہ کیا مقام ہے آسودہ ہو رہے ہیں ہم
محبتوں میں تو آسانیاں نہیں ہوتیں

یہ زندگی کا کوئی احتجاج ہے ورنہ
جہاں ہوں ہم وہاں ویرانیاں نہیں ہوتیں

جہاں بھی عشق نمودار ہونے لگتا ہے
وہاں شروع سے نادانیاں نہیں ہوتیں

جھٹک کے ہاتھ مرا اُس نے دُور ہو کے کہا
نہیں! یہاں یہ فراوانیاں نہیں ہوتیں

یہ دور اُس کی اداکاریوں کا ہے ورنہ
تعلقات میں بے دھیانیاں نہیں ہوتیں

پھر اُس مقام پہ وہ لے گئی ہمیں کہ جہاں
گناہ کر کے پشیمانیاں نہیں ہوتیں

کہا پھر اُس نے کہاں تم ہمیں سمجھ پاتے
اگر یہ چاک گریبانیاں نہیں ہوتیں

ہے اپنا دشتِ جنوں وہ جگہ جہاں محسنؔ
بلا لباس بھی عریانیاں نہیں ہوتیں

هم ہیں روٹھے ہوئے لوگوں کو منانے والے
کیسے ہوتے ہیں مگر روٹھ کے جانے والے

جب کوئی دُکھ نیا سینے میں اُتر آتا ہے
لطف دیتے ہیں بہت رنج پرانے والے

ہم نے کیا دیکھ لیا ساتھ زمانے کے اُسے
اچھے لگنے لگے اُس دن سے زمانے والے

کتنی مخدوش عمارت ہے” رفاقت کی اُمید”
دل میں رہتے ہی نہیں دل کو بنانے والے

تیری دُوری ہی سہی، تیری رفاقت نہ سہی
ہم تو اب بھی ہیں ترے ناز اُٹھانے والے

مجھ سے مل کر ترے کوچے کی طرف دوڑ گئے
گھر مرے آئے تھے کچھ جشن منانے والے

اچھی آنکھیں بڑی خوددار ہُوا کرتی ہیں
پاس رکھتی ہی نہیں خواب دِکھانے والے

ہم بہاروں میں ہی کرتے تھے عبادت ، مگر اب
سارے موسم ہیں تری یاد دلانے والے

سوچ بھی جیسے مری سوچ نہیں ہو محسنؔ
دھیان آتے ہیں مرا دھیان بٹانے والے

تم نہ ملتیں اگر تو کیا ہوتا
میں تو اب تک کا مر چکا ہوتا

میں بھی ہوتا جو عام سا کوئی شخص
سوچتا ہوں تمھارا کیا ہوتا

تم بڑی ہو گئیں یہ ٹھیک ہُوا
ورنہ میں بھی کہاں بڑا ہوتا

کیوں طبیعت بگاڑ لی تم نے
جو بھی کہنا تھا کہہ دیا ہوتا

تم کو شاید سمجھ نہ پاتا وہ
گر جگہ میری دوسرا ہوتا

دوسرا غم نہیں لگا ورنہ
دوسرا غم بھی آپ کا ہوتا

جان لیتا کوئی جو حال مرا
وہ بھی دیوانہ ہو گیا ہوتا

میں نے کچھ بھی نہیں کہا ورنہ
اُس کا غم مجھ سے بھی بڑا ہوتا

آج مڑ کے نہ دیکھتا میں اگر
اُس نے آوازہ کس دیا ہوتا

یہ بُرے خواب تو نہیں آتے
دل اگر صاف کر لیا ہوتا

دوستی میں بھی اُس سے کر لیتا
دوست کوئی اگر بنا ہوتا

آج محسنؔ وہ سو گئی شاید
ورنہ تو دیپ جل رہا ہوتا

لفظ کو میں نے جب صدا میں رکھا
لفظ نے خود کو اِرتقا میں رکھا

اُس کی گھبراہٹوں کے پیشِ نظر
وصل کو میں نے اِلتوا میں رکھا

عشق رکھا سوال میں ہم نے
کبر کا حُسن اِلتجا میں رکھا

رنجشوں کے سبب نہیں ڈھونڈے
انتہا کو بھی ابتدا میں رکھا

میں نے خواہش کو ماورائی دی
اُس نے آواز کو دعا میں رکھا

دل نے اک شخص سے توقع کی
اک دیا میں نے بھی ہوا میں رکھا

وحشتوں کو چھپا لیا میں نے
آگ کا سلسلہ قبا میں رکھا

دل کی بیماریاں گئیں ساری
لمس کو اُس نے جب دوا میں رکھا

آنکھ کے وصف نے مرے محسنؔ
رقص کو یار کی نوا میں رکھا

تمھیں کیا ہو گیا ہے جاگتے میں سو رہی ہو؟
ذرا خود کو سنبھالو کیسے کیسے ہو رہی ہو؟

بتاؤ تو تمھارے ساتھ آخر کیا ہوا ہے؟
بتاؤ تو ہمارے روبرو کیوں رو رہی ہو؟

تمھارے خواب تو کل رات پورے ہو گئے تھے
نئی ہو کر پرانے آئینے کیوں دھو رہی ہو؟

بہت شرمندہ ہوں تم سے کہ مجھ کو نیند آئی
مجھے یہ لگ رہا تھا گویا تم بھی سو رہی ہو

کہاں ہو کر رہی ہو تم مری ہونے کی صورت
مگر حسبِ رواداری یہی سمجھو، رہی ہو

انا کو توڑ کر میری یہ زعم خودسری کیوں؟
تمھیں میں مل گیا ہوں تو مجھے کیوں کھو رہی ہو؟؟

چلو مانا تمھیں بھی روگ کوئی لگ گیا ہے
مگر تم اِن دنوں تو اور اچھی ہو رہی ہو

چلو، ہشیار ہو اور ٹھیک سے مجھ کو جگاؤ
بہت دن چڑھ گیا ہے اور ابھی تک سو رہی ہو

تمھیں معلوم ہے ہم بھی تمھارے ہو رہے ہیں
ہمیں معلوم ہے تم بھی ہماری ہو رہی ہو

جہان میں ابتری بہت ہے
محبتوں میں کمی بہت ہے

اب اور کتنی دعائیں مانگوں
جو مل گیا ہے یہی بہت ہے

تمام مٹّی کا ہو گیا ہوں
مگر یہ مٹّی چھنی بہت ہے

زیادہ جی کر بھی کیا کروں گا؟
ہے جتنی بھی زندگی بہت ہے

میں خود کو گندہ نہیں کروں گا
اگرچہ یاں گندگی بہت ہے

میں سرخ فیتے میں باندھ تو لوں
مگر یہ دُنیا بڑی بہت ہے

پرائی چاہت چرائی میں نے
سو جان پر بھی بنی بہت ہے

بہت مراسم تو بڑھ گئے ہیں
پر اس سے اپنی ٹھنی بہت ہے

میں کوٹ اُس کو اُڑھا تو آیا
پہ مجھ کو سردی لگی بہت ہے

بدل گیا ہے مزاج ورنہ
جنون تو آج بھی بہت ہے

میں اس کی فطرت کو جانتا ہوں
پہ کیا کروں دوستی بہت ہے

وہ بات پہنچی ہے ان کہی تک
جو بات ہم نے کہی بہت ہے

پنپ رہی ہے برائی مجھ میں
وجود میں سنسنی بہت ہے

تمھاری دنیا تمھیں مبارک
مرے لیے تو وہی بہت ہے

ادھوری عورت ہے وہ ! پہ محسنؔ
کبھی کبھی بولتی بہت ہے

دُور سے پاس کے لہجے میں پکارا اُس نے
روح کا لمس مرے تن میں اُتارا اُس نے

میرے ہونے کو اشارے سے دیا اُس نے ثبات
پھر مجھے سونپ دیا اپنا اشارا اُس نے

یک بیک اُس نے تو حالت ہی بدل لی اپنی
پھر مجھے بھی اسی حالت سے گزارا اُس نے

میں کسی طور ملوث کسی عجلت میں نہ تھا
خود ہی توڑا تھا مرے ضبط کا یارا اُس نے

اُس نے رکھا ہی نہیں شہرِ تعلق میں سکوت
میں نے آواز نہیں دی تو پکارا اُس نے

ہم کو معلوم نہ تھا ہم سے محبت ہے اُسے
اور اِس دُکھ میں بڑا وقت گزارا اُس نے

چوڑیاں اُس کی کسی طور کھنکتی ہی نہ تھیں
میں اُٹھا تب کِیا رُکنے کا اشارا اُس نے

اُس کا اک کرب تھا جو مجھ میں اُتر آیا تھا
میں یہ سمجھا کہ مجھے خود میں اُتارا اُس نے

تنگ دستی مری برباد مجھے کر نہ سکی
ہر حوالے سے کِیا مجھ کو گوارا اُس نے

گو کہ تقریر کا عنوان تھا دنیا لیکن
دیر تک پہلے کِیا ذکر ہمارا اُس نے

تنگ رستے سے گزرتے ہوئے چھُو کر مجھ کو
اپنی حسرت کو مرے دل میں اُتارا اُس نے

میں نے جذبات کی شدّت میں چھپا رکھا تھا جو
آنکھ سے کھینچ لیا وہ بھی نظارا اُس نے

کٹھن ہے وقت کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو
سمے کے ساتھ چلو تاکہ واردات نہ ہو

ہماری نیند کا اُڑنا بھی خواب ہو شاید
یہ کائنات بھی ممکن ہے کائنات نہ ہو

ہم اجنبی تو نہیں پھر یہ کیا قیامت ہے
کہ پاس بیٹھے رہیں اور کوئی بات نہ ہو

اُداس ہیں تو چلو ہم کوئی مذاق کریں
کوئی بھی فیصلہ آزردگی کے ساتھ نہ ہو

ہم ایک دوسرے سے پوچھ کچھ کریں لیکن
سوال باعثِ ترکِ تعلّقات نہ ہو

حدیں ہم اپنی مقرّر کریں تو اچھا ہے
جو اک ثبات ہے ہم میں وہ بے ثبات نہ ہو

ہوئی ہے ہم سے محبت تمھیں تو دھیان رہے
کسی بدی میں ملوّث ہماری ذات نہ ہو

مجھے پسند نہیں عشق میں پشیمانی
ترا فراق نہ ہو یا مری حیات نہ ہو

تعلّقات کا مقصد ہے ملتفت رہنا
مگر اب اِتنا زیادہ بھی اِلتفات نہ ہو

مرا وجود رہا ہے کہاں مرے اندر
جگہ پکڑ گئے وہم و گماں مرے اندر

ہر ایک رنج کے اپنے الگ حوالے ہیں
بسی ہوئی ہیں کئی بستیاں مرے اندر

ابھی تو کارِ نفس ٹھیک سے ہُوا بھی نہیں
ابھی سے چلنے لگیں آندھیاں مرے اندر

خیال و خواب کی آوارگی کو کیا کہیے
سمٹ کے آگیا سارا جہاں مرے اندر

وہ چاہتی ہے کہ اظہارِ مدّعا نہ کروں
سو قید کر دیے لفظ و بیاں مرے اندر

جو آگ اُس نے لگائی تھی بجھ گئی کب کی
بھرا ہُوا ہے ابھی تک دُھواں مرے اندر

مرے لیے مرا ہونا ہی کافی تھا لیکن
الگ سے رہتا ہے اک خوش گماں مرے اندر

میں اپنے طور تو برداشت رنج کر لیتا
پہ ہو رہا ہے ہے کوئی رایگاں مرے اندر

وہ جب بھی آتی ہے اک انقلاب لاتی ہے
بہت سی آتی ہیں تبدیلیاں مرے اندر

فطرتِ علّت و سبب جاگی
اُس کو چاہا تو ہر طلب جاگی

رات میں جتنی دیر تک جاگا
زندگی اتنی دیر کب جاگی

جاگتی ہی نہ تھی کسی کروٹ
پھر وہ جاگی تو سب کی سب جاگی

میرے اندر ندامتوں کی فضا
بعض اوقات بے سبب جاگی

غم تو شب خون کب کا مار گیا
اور چھٹی حس ہماری اب جاگی

رات میں جب بہت اُداس ہُوا
رنج کی حالتِ طرب جاگی

دائرہ نصف دائرہ ہی رہا
نیند آئی مجھے وہ تب جاگی

میری سوچوں میں کل کا دن جاگا
اُس کی نظروں میں آج شب جاگی

خواب ہیں سو بنا ٹوٹے بھی نہیں رہ سکتے
ہم بھی کیا ہیں ؟ کہیں رہ کے بھی نہیں رہ سکتے

کیسے ہوتے ہیں عجب مل کے بچھڑنے والے
یوں بچھڑتے ہیں کہ بچھڑے بھی نہیں رہ سکتے

عشق میں وقفہ گوارا بھی نہیں ہو سکتا
اور کسی لمحے میں جکڑے بھی نہیں رہ سکتے

کون رکھے گا دُکانوں میں سجا کر ہم کو
ہم تو شوکیس میں رکھے بھی نہیں رہ سکتے

جیسے دو آدمی لڑتے ہوں ہمارے اندر
ہاتھ پھیلائیں تو پھیلے بھی نہیں رہ سکتے

کیسی آنکھیں ہیں مری ، جو مری لگتی ہی نہیں
ایسی آنکھوں میں تو سپنے بھی نہیں رہ سکتے

وقت بن کر ترے کوچے سے گزر جائیں مگر
ہم رُتوں کی طرح گزرے بھی نہیں رہ سکتے

عشق ہم دونوں کو بیمار نہیں کر سکتا
یہ الگ بات کہ اچھے بھی نہیں رہ سکتے

———

دن اچھے کٹتے رہتے ہیں اُس گھر آنے جانے سے
ذہن کا بوجھ اُتر جاتا ہے دل کا حال سنانے سے

اُس کی کس تلخی کو بھولوں ہر تلخی مرا حصّہ ہے
سارا گھر ہی گر جاتا ہے اک دیوار گرانے سے

دیکھو اپنی رائے نہ بدلو، ورنہ سب کچھ بدلے گا
حال احوال بدل جاتے ہیں ، اک تبدیلی لانے سے

میں بھی گویا وعدہ خلافی کا کوئی اندیشہ ہوں
دنیا پیچھے ہٹ جاتی ہے میرے ہاتھ بڑھانے سے

خود ہی اپنا مرشد بن کے اپنی مریدی کرتا ہوں
دُگنی اُجرت مل جاتی ہے دُگنا بوجھ اُٹھانے سے

دل سے نکل کے جانے والا دل کی حالت کیا جانے
گھر آسیبی ہو جاتا ہے، تنہا چھوڑ کے جانے سے

میری مان! تو دل کو اندیشوں میں اُلجھا رہنے دے
خدشے اور بھی بڑھ جاتے ہیں بات سمجھ میں آنے سے

غم سے راحت حاصل کرنا میں تو کب کا بھول چکا
اب تو پاگل ہو جاتا ہوں اُس کے ہاتھ چھڑانے سے

کاغذ کی سی بُو آتی ہے میرے اندر سے محسنؔ
جیسے اُس کا خط جلتا ہو کوئی اُسے بھلانے سے

نوری ہوں کچھ ناری ہوں
میں مٹّی کی خواری ہوں

میں لرزہ ہوں فطرت کا
اور خود پر ہی طاری ہوں

مجھ کو کیا بیماری ہو
میں خود ہی بیماری ہوں

میں اک دُکھ ہوں پیاسوں کا
پانی ہوں پر کھاری ہوں

جو آنکھیں شرمندہ ہیں
میں اُن کی بیداری ہوں

کیسے تجھ سے پیار کروں
محوِ دُنیاداری ہوں

پتھر مجھ سے ہلکے ہیں
میں بھی کتنا بھاری ہوں

طائر مجھ سے خائف ہیں
کیا میں کوئی شکاری ہوں ؟

اُس کو روز و شب درکار
اور میں کاروباری ہوں

سفر، کہانی، حوالوں کی زد پہ رہتے ہیں
ہم اپنے خواب خیالوں کی زد پہ رہتے ہیں

ہیں خودکشی کے طریقے ہنوز سب رائج
تمام زہر پیالوں کی زد پہ رہتے ہیں

تماشے اپنی کہانی سے خود نہیں واقف
تبھی تو دیکھنے والوں کی زد پہ رہتے ہیں

عجیب لوگ ہیں موجود ہی نہیں رہتے
ازل ابد کے حوالوں کی زد پہ رہتے ہیں

کبھی ہم اُس کے سوالوں کی زد پہ رہتے تھے
مگر اب اپنے سوالوں کی زد پہ رہتے ہیں

خراج مانگتی رہتی ہے خون کی وحشت
سو خدّوخال اِزالوں کی زد پہ رہتے ہیں

میں دل کے خوف سے ادراکِ کسب کرتا ہوں
مرے اندھیرے اُجالوں کی زد پہ رہتے ہیں

سبھی کو ڈر ہے کہ دل مضطرب نہ ہو جائے
سب اپنے چاہنے والوں کی زد پہ رہتے ہیں

دُعا نہ مانگیے محسنؔ طویل عمری کی
ضعیف، گود کے پالوں کی زد پہ رہتے ہیں

دُشمن ہمارے ہار کے ہم سے چلے گئے
ہم اِس گماں میں زیست گزارے چلے گئے

اک اَن کہی جو کہنی تھی، کہنے چلے تو ہم
اک لفظ بار بار ہی بولے چلے گئے

کل شب وہاں دِیا کوئی رکھا نہیں ملا
ہم اُس گلی کے موڑ سے آگے چلے گئے

آنکھوں کے ساتھ دل بھی گیا، ذہن بھی گیا
ہم اُس کو پھر بھی غور سے دیکھے چلے گئے

نشہ اُسے بھی ذات کا چڑھتا چلا گیا
ساغر مثال ہم بھی چھلکتے چلے گئے

اِس زعمِ اِلتفات کو کیا نام دیجیے
دونوں ہی ایک دوجے پہ چھاتے چلے گئے

وہ بھی سپردگی کو بڑھائے چلی گئی
اور ہم بھی اُس کو اپنا بنائے چلے گئے

اک رات بار بار ہی آئے چلی گئی
ہم بار بار اُس کو جگائے چلے گئے

پُر پیچ رہگزار تھی اُس کی سپردگی
ہم جو بھی موڑ آیا وہ مڑتے چلے گئے

پانی کے ہوگئے کبھی پتھر کے ہوگئے
دیکھا جسے بھی ہم اُسی منظر کے ہوگئے

اک رسمِ قفل گھر کی نبھائی کچھ اِس طرح
اندر کے ہوگئے، کبھی باہر کے ہوگئے

حیرت ہے روشنی کی ضرورت تو مجھ کو تھی
لیکن چراغ اُس کے مقدّر کے ہوگئے

محسوس کیا ہُوا مجھے خوش فہمیوں کا دُکھ
سارے سوال ایک برابر کے ہوگئے

اُس نے لگائے جب مری بیداریوں کے دام
سب خواب لاپتا مرے اندر کے ہوگئے

شعلے نے آلیا تو ہوئے ہم دُھواں دُھواں
لہروں نے آلیا تو سمندر کے ہوگئے

کب جائے گا بتا اے مرے لا اُبالی پن
بچّے بھی اب تو میرے برابر کے ہوگئے

بالیں پہ جائیں تو کبھی آنگن میں آئیں ہم
ہم اپنے گھر میں رہ کے ترے گھر کے ہوگئے

چُپ نے لکیر کھینچ دی محسنؔ خلا کے بیچ
آواز کے پرندے بنا پر کے ہوگئے

وہ مجھ سے سوال کر رہی ہے
بے خواب و خیال کر رہی ہے

آتا ہی نہیں اُسے جھگڑنا
کم فہم ملال کر رہی ہے

مردوں سے نبرد آزمائی؟
عورت بھی کمال کر رہی ہے

زنداں کے امیر کی ہی بیٹی
قیدی سے وصال کر رہی ہے

مجھ کو بھی تھکا رہی ہے دُنیا
خود کو بھی نڈھال کر رہی ہے

کس کس کو جواب دوں میں آخر
ہر چیز سوال کر رہی ہے

اک شیر کا مُنہ کھلا ہے دیکھو
اور چڑیا خلال کر رہی ہے

تاخیر بھی دکھا رہی ہے کرتب
عجلت بھی دھمال کر رہی ہے

کب عشق ہُوا ہے اُس کو محسنؔ
بس میرا خیال کر رہی ہے

ہم اعتمادِ دوست کے مارے ہوئے بھی ہیں
کچھ دن روا روی میں گزارے ہوئے بھی ہیں

ہر چند اُس کے لمس سے زنجیر ہیں مگر
لہجے کی تلخیوں کو سہارے ہوئے بھی ہیں

سچ تو یہ ہے کہ دل کے کٹھن مرحلوں سے ہم
گزرے ہوئے تو ہیں پہ گزارے ہوئے بھی ہیں

اُس شب ہماری جیت میں غیبی مدد بھی تھی
ورنہ ہم اُس سے بارہا ہارے ہوئے بھی ہیں

حالت تو ایسی ہے کہ جنوں ساتھ چھوڑ دے
پر ہم محبتوں سے پکارے ہوئے بھی ہیں

ایسا نہیں کہ تم سے بچھڑ ہی گئے ہیں ہم
تم سے بچھڑتے وقت تمھارے ہوئے بھی ہیں

دیکھو، ہماری آنکھ میں آنسو کوئی نہیں
دیکھو، ہم اپنے بال سنوارے ہوئے بھی ہیں

تم زندگی کو ٹھیک سے محسوس تو کرو
کچھ سلسلے تمھارے ہمارے ہوئے بھی ہیں

در پردگی میں جس کی حسیں دھمکیاں بھی تھیں
اُس کی طرف سے ایسے اشارے ہوئے بھی ہیں

تعبیر لیے بیٹھا ہوں میں خواب کے اندر
اک دیپ جلا رکھا ہے تالاب کے اندر

بن عشق کیسے لڑتا رہا اپنی حسوں سے
انہونیاں ہوتی رہیں اعصاب کے اندر

کیا تجھ سے مراسم ہیں بتائیں بھی تو کیسے
گرداب ہی گرداب ہیں، گرداب کے اندر

ہم زیست تو کرتے ہیں مگر یہ نہیں معلوم
ہم خواب سے باہر ہیں کہ ہیں خواب کے اندر

ہے میری مسافت مرے معلوم سے آگے
دن رات بندھے ہیں مرے احباب کے اندر

اِس ڈر سے میں بارش کی دعائیں نہیں کرتا
بہہ جائیں نہ بچّے کہیں سیلاب کے اندر

لاحاصلی حاصل کی مرے بات نہ سمجھی
تسکین اُتر آئی دلِ بیتاب کے اندر

کینے کو بھی رکھتے ہیں تبسم کے اثر میں
عادت یہ عجب ہے مرے احباب کے اندر

نظروں میں اُجالے کے سوا کچھ نہیں محسنؔ
جیسے ہو رہائش مری مہتاب کے اندر

ظلم تو کرتا ہے کوئی اور بھرتا ہے کوئی
مرنا ہوتا ہے کسی کو اور مرتا ہے کوئی

خاک بھی مانگے ہے اپنی مرضی کے نقشِ قدم
راہ ہوتی ہے کسی کی اور گزرتا ہے کوئی

دیر لگ جاتی ہے ملبہ صاف کرنے میں بہت
ٹوٹ کر اپنے ہی اندر جب بکھرتا ہے کوئی

کتنی راتیں نقش کرتا ہوں در و دیوار پر
تب کہیں اک نقش میں سے دن اُبھرتا ہے کوئی

خوں رُلاتی ہے اُسے گھر چھوڑنے کی داستاں
اپنے گھر کے سامنے سے جب گزرتا ہے کوئی

زندگی کم پڑگئی تو کیا کریں گے ہم بتا؟
عشق ہو جائے تو پھر آرام کرتا ہے کوئی؟

دوسروں سے حال پچھواتی ہو تم بھی خوب ہو
شب گزرتی ہے کوئی، یوں دن گزرتا ہے کوئی؟

ایسا لگتا ہے کہ جیسے پھر میں زندہ ہو گیا
مسکرا کے جب بھی مجھ سے بات کرتا ہے کوئی

دھیمے لہجے میں سخن کرتا ہوں محسنؔ اِس لیے
گر بلند آواز میں بولوں تو ڈرتا ہے کوئی

اُس کی آنکھوں میں خواب ہیں میرے
مشورے کامیاب ہیں میرے

سب کو جھک کر سلام کرتا ہوں
سب ہی عزّت مآب ہیں میرے

میں زمانے سے پیار کرتا ہوں
مسئلے بے حساب ہیں میرے

دوستو! مجھ کو راستہ دے دو
سانحے ہم رکاب ہیں میرے

آپ شب خون مجھ پہ مت ماریں
میرے اندر سراب ہیں میرے

کوئی کہہ دے مرے رقیبوں سے
اب اِرادے خراب ہیں میرے

اُس کا ہونا ہی باغ ہے میرا
اُس کے لب ہی گلاب ہیں میرے

آئیے آئیے، اِدھر صاحب!
دل جگر دستیاب ہیں میرے

طاق سے دُھول تک نہیں پونچھی
کیسے اہلِ کتاب ہیں میرے

دشتِ طلب کی سیر سے دل بھر نہیں رہا
میرا علاج قیس بھی اب کر نہیں رہا

ہوں خواہشیں فرار تو مقسوم کیا کرے
موجود ہے جو وہ بھی میسّر نہیں رہا

لگتا ہے جیسے اب بھی ترا منتظر ہوں میں
حالانکہ انتظار ترا کر نہیں رہا

بارُود لے کے اپنے مقابل کھڑا ہوں میں
خود کو ڈرا رہا ہوں مگر ڈر نہیں رہا

ہے اُس کو اب کی بار مری فکر کس لیے
موجود تو میں پہلے بھی اکثر نہیں رہا

یہ تم نے کیسی رات گزاری ہے میرے ساتھ
افسوس کہ میں عشق کا خوگر نہیں رہا

ہے انتباہِ شب! کہ ہے سونا یہاں منع
گویا کہ میرا گھر بھی مرا گھر نہیں رہا

مت پوچھ میرے بارے میں بس اتنا جان لے
اک شخص ہوں جو تیرے لیے مر نہیں رہا

میں اُس کے گھر میں گھس گیا دستک دیے بغیر
محسنؔ پھر اس کے بعد کوئی ڈر نہیں رہا

حشر میں لا کے بھی مجھے حشر اُٹھا نہیں رہا
کارِ طلب کا سلسلہ سوگ منا نہیں رہا

تیری ہی طرح غم ترا اُلجھا ہُوا سوال ہے
دل میں اُتر گیا مگر دل کو دُکھا نہیں رہا

عشق کی ساری عادتیں میرے جنوں کی مثل ہیں
کل کے لیے کمائی سے کچھ بھی بچا نہیں رہا

عجلتِ روزگار بھی کیسی عجیب چیز ہے
قیس پڑا ہے راہ میں کوئی اُٹھا نہیں رہا

عشق بھی ہو نہیں رہا، ذات بھی کھل نہیں رہی
وقت مرے وجود کا بوجھ اُٹھا نہیں رہا

دن بھی نکل نہیں رہا، سمت بھی مل نہیں رہی
خوف زدہ ہے ناخدا، ناؤ چلا نہیں رہا

اچھی خبر نہیں سہی، کوئی بُری خبر تو ہو
کوئی محاذِ جنگ سے لوٹ کے آ نہیں رہا

کیا کیا خلاف ظلم کے نعرے لگا رہے تھے لوگ
ظلم ہُوا تو کوئی بھی شور مچا نہیں رہا

گرم نفس کے دوش پر سرد ہوا کا بوجھ ہے
دوست بنا کے دوست بھی ہاتھ ملا نہیں رہا

تشکیک نظریات سے ٹکرانے لگی ہے
تاخیر تری ذہن کو اُلجھانے لگی ہے

معصوم ہے تیری طرح شاید مری دُنیا
جو خود نہیں سمجھی مجھے سمجھانے لگی ہے

سنتا تھا لطیفے کبھی اُس سے کہ ہنسی آئے
اب دیکھ کے ہی اُس کو ہنسی آنے لگی ہے

اُلجھا ہوں مسائل میں تو اچھا لگا مجھ کو
اُلجھن ہی مری اُلجھنیں سلجھانے لگی ہے

کچھ اپنے لیے خود ہی مجھے کرنا پڑے گا
اب اُس کی توجّہ میں کمی آنے لگی ہے

میں نے تو کبھی اپنا کہا ہی نہیں اُس کو
وہ شہر میں کیسے مری کہلانے لگی ہے

ممکن ہے کہ میں اپنی حفاظت نہیں کر پاؤں
اندر سے طبیعت بڑی گھبرانے لگی ہے

پاگل ہوں تو پاگل کی طرح کیوں نہیں رہتا
یہ سوچ کے تو عقل بھی چکرانے لگی ہے

محسنؔ مجھے سرحد کی طرف جانا پڑے گا
گھر میں بھی دھماکوں کی دھمک آنے لگی ہے

مراسم دیکھنا ہوں گر تمھیں دل اور خدا کے
سمندر پار کرنا کاغذی کشتی بنا کے

یہاں انہونیاں ہونے پہ قابض ہوگئی ہیں
سو تو بھی آ، نیا چہرہ، نئی آنکھیں بنا کے

نظر وہ رکھ جو اپنے چاند سورج خود بنائے
اُجالا کیا، جو گھر میں ہو چراغوں کو جلا کے

ہمیں چھپ چھپ کے ملنا سازگار آتا کہاں ہے
تم اب کی بار آنا ساری دُنیا کو بتا کے

توقّع کا سفر دراصل اک اندھا سفر ہے
مسافر راہ چلتا ہے یہاں مٹّی اُڑا کے

کہی باتیں بھی گویا اَن کہی سی لگ رہی ہیں
کہ جیسے باندھ رکھے ہوں کسی نے پر صدا کے

ہمیں تو زندگی کی ساعتیں کم پڑ رہی ہیں
سو رکھیں کس طرح تیرے لیے لمحے بچا کے

تعلق میں کوئی تشکیک کا پہلو نہ رہ جائے
جو تم دل بھی دُکھانا تو بہت نزدیک آ کے

عدالت فیصلے اپنے تئیں کرتی ہے لیکن
سزا کی مثل کب کٹتے ہیں سارے دن سزا کے

یہ خبریں ہیں کہ افواہوں کی تازہ کاریاں ہیں
یہ صبح و شام ہوتے ہیں کہ ہوتے ہیں دھماکے

کسی کو پھول دینے کا زمانہ اب کہاں ہے؟
ضرورت ہے رکھیں گھر میں کلاشنکوف لا کے

اگرچہ آدمی کی دسترس میں ہے سبھی کچھ
مسائل حل مگر ہوتے نہیں خلق خدا کے

ہے اِس ماحول میں ایسے کسی کو یاد رکھنا
کوئی سوتا ہو جیسے آگ پر بستر بچھا کے

ہماری کور چشمی خود بصارت ساز ہو جائے
اگر جھانکے کبھی کھڑکی سے وہ پردہ ہٹا کے

ڈرو گے وقت سے تو زندگی کیسے کرو گے
ہیں سب راتیں خدا کی اور سارے دن خدا کے

بارُود کے حصار میں زندہ کھڑا ہوں میں
لگتا ہے اپنی موت سے بھی لڑ پڑا ہوں میں

بے خبریوں کی سمت لگائی تھی میں نے جست
خبروں کے درمیان مگر آ پڑا ہوں میں

ہنستا ہوں خود بخود کبھی روتا ہوں خود بخود
اور بیچوں بیچ راہگزر کے پڑا ہوں میں

نکلا ہُوا ہوں گھر سے کہ جانا ہے اُس کے گھر
اور خود ہی اپنا راستہ روکے کھڑا ہوں میں

کس درجہ بے لحاظ ہے شرمندگی مری
جب بھی گڑا زمین میں آدھا گڑا ہوں میں

تُو بھی اَدھیڑ بُن کے سوا اور کچھ نہیں
اور اِس ادھیڑ بُن میں بھی کب سے پڑا ہوں میں

چھوٹا ہے مجھ سے میرا ہر اک غم یہ ٹھیک ہے
پر یہ خبر نہیں ہے کہ کتنا بڑا ہوں میں

واسوخت کا بھی اُس کی اثر مجھ پہ کب ہُوا
محسوس ہو رہا ہے کہ چکنا گھڑا ہوں میں

محسنؔ ہے اُس قطار کا ہر فرد لاپتا
خوابوں کی جس قطار میں پیچھے کھڑا ہوں میں

وقفے وقفے سے ادھر اب روشنی ہونے لگی
ایسا لگتا ہے ہماری مخبری ہونے لگی

بے تکلّف کیا ہوئے کہ دل ہی پاگل ہو گیا
درگزر کے نام پر دیوانگی ہونے لگی

عشق بھی کیا چیز ہے جو رُوپ چاہے دھار لے
قلب جاری ہوتے ہوتے شاعری ہونے لگی

سوچتے تھے دل لگا کر بُردباری آئے گی
اور اُس سے دل لگا تو دل لگی ہونے لگی

لوگ تسکیں چاہتے ہیں اب ضرورت سے سوا
اب تو بازاروں میں بھی آوارگی ہونے لگی

خود کو جبراً ماورائے غم بنا کر خوش ہُوا
پھر مرے خود ساختہ پن میں کمی ہونے لگی

خودکشی کرنے چلے تو رب سے ڈر لگنے لگا
اور پھر اک دوسری ہی زندگی ہونے لگی

پتھروں کے ڈر سے دیواروں کو اُونچا کیا کِیا
گھر کی بیری اور تیزی سے بڑی ہونے لگی

کام آخر آگئیں محسنؔ مری بیتابیاں
مجھ سے مل کر اب تو اُس کو بھی خوشی ہونے لگی

ہر اختلاف دل کے لیے عارضہ ہی ہے
پانی کو آنچ دیجیے تو کھولتا ہی ہے

مہلت بھی ایک سلسلہ ہوتا ہے وقت کا
کچھ واقعہ نہ ہونا بھی اک واقعہ ہی ہے

در اصل بات یہ ہے کہ افراد بڑھ گئے
خلق خدا کا مسئلہ خلق خدا ہی ہے

بے خواہشی کا اُس کی مداوا کرے خدا
جو کچھ رکھا تھا اُس کے لیے سب رکھا ہی ہے

یک لخت جیسے خود سے جدا ہو گئے ہوں ہم
بیتابیوں کو چھیڑنا بھی حادثہ ہی ہے

معلوم کو سوال کی حد میں ابھی نہ لا
انہونیوں کی صرف ابھی ابتدا ہی ہے

سچ کہہ رہی ہو مجھ میں تمھیں میں نہیں ملا
سچ کہہ رہی ہو مجھ میں کوئی دوسرا ہی ہے

مجھ کو بُرا کہو، مری خُو کو بُرا کہو
ہر زاویے سے میرا وتیرہ بُرا ہی ہے

یہ کائنات جیسے ہو محسنؔ کوئی سوال
جو بھی جہاں پڑا تھا، ابھی تک پڑا ہی ہے

وہ جب تلک نہ آئے اُسی کو پکاریے
نا وقتیوں کو وقت ہی کی مار ماریے

اچھا نہیں زیادہ لکیروں کا کھینچنا
خاکہ جو بن گیا ہے اسی کو اُبھاریے

یہ منحصر ہے وقت پہ کٹتا ہے کس طرح
اپنے تئیں تو اچھی طرح دن گزاریے

ہم بے صدا فقیر ہیں اور مسئلہ یہ ہے
آواز مل بھی جائے تو کس کو پکاریے

کیسے گناہ اور کہاں کی جزا سزا
فرصت میں بیٹھے یار کی نقلیں اُتاریے

خیرات مانگنے کے بھی ہوتے ہیں کچھ اُصول
کاسہ اُٹھا کے ہاتھ میں ڈینگیں نہ ماریے

ہوتے ہیں گھر کے جھگڑے بھی رستے میں اِن دنوں
مڑیے گلی کا موڑ تو پہلے کھنکاریے

یہ سوچیے کہ طیش میں آئے ہیں آپ کیوں
یہ کیا، کہ آ کے طیش میں شب خون ماریے

اچھا ہے صاف کرتے رہیں آئینوں سے گرد
مہلت ملے تو اپنی بھی حالت سنواریے

بس کٹ چکی جناب بہت فصلِ انتظار
کچھ دن گزاریے یہاں کچھ شب گزاریے

اچھی ہے وہ لڑائی جو جاری رہے سدا
بازی تو ہار جایئے، ہمّت نہ ہاریے

میں کھو گیا ہوں اپنے کسی اختیار میں
میں خود کو ڈھونڈ لوں مجھے اتنا پکاریے

تنقید آب و دانا پہ کیجے گا بعد میں
طائر کو پہلے چھت سے تو نیچے اُتاریے

اُڑ ہی گئی ہے نیند تو ضائع نہ کیجے رات
خود بھی سنوریے اور ہمیں بھی سنواریے

ہم بھی سراب ہو کے تذبذب میں پڑ گئے
کس آدمی کے سامنے کیا رُوپ دھاریے

وہ بھی تلاشِ رزق کے مارے ہوئے نہ ہوں
بھوکے بھی آپ ہوں تو پرندے نہ ماریے

لکھ دی ہیں اُس کی آنکھ نے سچی کہانیاں
محسنؔ نگاہِ یار کا صدقہ اُتاریے

سب ہی اپنے ہیں مگر لگتا نہیں اپنا کوئی
ایسا لگتا ہے کہ ہے دُنیا نئی دُنیا کوئی

گھر کو تو بس کوئی گھر میں رہنے والا چاہیے
میں نہیں ہوتا اگر تو دوسرا ہوتا کوئی

یہ جو لامحدود جالے بُن رہا ہے میرے گرد
موج میں ہے آنکھ سے نکلا ہُوا سپنا کوئی

ابتدا سی ہو چلی ہے ایک نامعلوم کی
ایسا لگتا ہے کہ بس اب دائرہ ٹوٹا کوئی

بول اے ٹوٹے ہوئے الفاظ کی آواز بول
اِس قدر خاموش بھی ہوتا ہے سنّاٹا کوئی

کیا دُعا بھی بے ارادہ مانگنے لگتا ہے دل
کیا پس پردہ بھی ہو جاتا ہے ہنگامہ کوئی

لڑ رہے ہیں اِس طرح اعصاب میرے نیند سے
مجھ میں جیسے آبسا ہو جاگنے والا کوئی

ختم ہو جاتیں جہاں سے ساری آہ و زاریاں
کاش میرے ساتھ مل کر دوسرا ہنستا کوئی

ہر علامت پر مری انہونیاں سی ثبت ہیں
یہ اگر میں ہوں! تو یہ بھی ہے مرا ہونا کوئی

مار دوہری مارتا ہے! یہ بھی کوئی صبر ہے
پارسا کے رُوپ میں ہو جیسے آوارہ کوئی

اب تو ہر سچی کہانی متن کے اردب میں ہے
اب تو لکھنا ہی پڑے گا جھوٹا افسانہ کوئی

سوچ سے موجود کی تزئین تک جل جائے گی
ذہن میں اپنے نہ رکھے فکرِ آئندہ کوئی

جیسے سورج کی نہیں ہو، اور کوئی دھوپ ہو
پاؤں جلتے ہی نہیں ہیں یہ بھی ہے صحرا کوئی

جتنی آسانی سے محسنؔ میں نے دھوکے کھائے ہیں
اِتنی آسانی سے کب دھوکا مجھے دیتا کوئی

چراغ جیسے ہوئے اور نہ خواب جیسے ہوئے
ہم اُس سے دُور ہوئے تو سراب جیسے ہوئے

یہ فیض اُس کی محبت سے ہی ملا ہے جو ہم
تعلّقات میں بھی کامیاب جیسے ہوئے

ہوئے تھے گم کہ ہمیں خود نمائی تھی درکار
کسی نے ڈھونڈا تو ہم بازیاب جیسے ہوئے

یہی نہیں کہ ستارے زمین پر اُترے
زمین والے بھی کچھ ماہتاب جیسے ہوئے

عجب سوال تھا اُس کا عجب جواب مرا
ذرا سی دیر کو دونوں گلاب جیسے ہوئے

بڑی ریاضتیں اُس نے کرائی ہیں ہم کو
بہت دنوں میں ذرا بے حجاب جیسے ہوئے

تمام رات عجب اضطراب میں گزری
نہیں خراب ہوئے پر خراب جیسے ہوئے

کہا جو اُس نے وہ ہم نے کیا اور اس کے بعد
نظر میں اُس کی بھی عزت مآب جیسے ہوئے

ہم ایک دوسرے کا احتساب کرتے کیا
کبھی کبھی تو بہت بے حساب جیسے ہوئے

سناؤں قصّہ تمھیں اُس کی جاں فشانی کا
کہ رُخ ہی موڑ دیا اُس نے بہتے پانی کا

مری نہیں تھی ضرورت اُسے گواہ کی تھی
سو میں گواہ ہُوا اُس کی مہربانی کا

کسی حوالے سے بھی اُس سے گفتگو کیجے
اسیر ہونا ہی پڑتا ہے خوش گمانی کا

ہوا و خاک کو میری ذرا خبر نہ ہوئی
میں کھیل کھیل گیا آگ اور پانی کا

مکیں کو دُکھ، کہ پڑی ہیں سپاٹ دیواریں
مکاں کو روگ لگا اپنی بے مکانی کا

تھا اُس کے عدل کا حصّہ معاف کرنا بھی
نظام اور ہی تھا اُس کی حکمرانی کا

خبر نے ایسی بنائی جگہ خیالوں میں
کہ ربط ٹوٹ گیا خواب سے کہانی کا

خلط ملط ہیں کہی ان کہی سبھی باتیں
عجب غبار ہے الفاظ اور معانی کا

میں ہاتھ دھونے جو بیٹھا تو یہ کھلا محسنؔ
اک اختلاف ہوں میں موج اور روانی کا

نہیں ہوتی ہے اکثر گفتگو کی ابتدا تک
اور اِس عالم میں ہو جاتے ہیں ہم اُس سے جُدا تک

میں سب کا سب سکوتِ عشق جیسا ہو گیا ہوں
بسا اوقات تو آتی نہیں دل سے صدا تک

مجھے بیمار ہونا ہی پڑے گا، جانتا ہوں
سو گھر میں لا رکھی ہے پیشگی میں نے دوا تک

مجھے خوش رکھنے کی کوشش تری اب بے سبب ہے
ہُوا ہوں غمزدہ میں تیرے غم کی انتہا تک

نہ بوجھی جا سکی مجھ سے کوئی اس کی پہیلی
اگرچہ ہو گیا تھا رات میں اک دوسرا تک

میں پتھر کی طرح بیٹھا ہُوا ہوں رہ گزر میں
چُرا کر لے گئی ہے سوچ میرے دست و پا تک

کچھ ایسی ساکھ قائم ہے مرے کارِ نفس کی
دُعا دے کر گزرتی ہے مجھے تازہ ہوا تک

کسی صورت بھی اُس کو مہرباں ہونا نہ آیا
اگرچہ توڑ لی ہے ہم نے تو اپنی انا تک

مگر کیوں لا تعلّق ہو گئے ہیں لوگ محسنؔ
مرے حق میں کوئی کرتا نہیں ہے اب دُعا تک

مرے دُکھوں میں دُکھوں کی علامتیں بھی نہیں
عجیب وقت ہے گردش میں ساعتیں بھی نہیں

عجیب دور ہے جیسے ہمارا دور نہ ہو
کہ حسبِ حال ہماری شباہتیں بھی نہیں

نہ بدگمانی ہے اُس کو نہ خوش گمانی ہے
سو دُوریاں بھی نہیں اور قربتیں بھی نہیں

زمانہ کہتا ہے پاگل اُسے بھی مجھ کو بھی
پر ایک جیسی ہماری تو حالتیں بھی نہیں

غلط کو ٹھیک سمجھ کر ہی مطمئن ہو جائیں
ہماری فکر میں تو اِتنی وسعتیں بھی نہیں

خیالِ شغل خیانت ہی کچھ مزہ دیتا
پہ میرے پاس کسی کی امانتیں بھی نہیں

کدورتوں پہ دلوں کی مشاورت کرتے
پہ کیا کریں کہ دلوں میں کدورتیں بھی نہیں

ہم اُس سے پوچھتے اُس کی اُداسیوں کا سبب
ہماری بیچ تو اِتنی محبتیں بھی نہیں

یہ کیا ہُوا ہمیں بالکل بھلا دیا تم نے
لکھی ہوئی سرِ مژگاں حکایتیں بھی نہیں

تضادِ لفظ و معنی مدّعا روکے ہوئے ہے
سو اپنی مہربانی کو خدا روکے ہوئے ہے

مرے کردار تو اپنی جگہ سب مستعد ہیں
کہانی خود ہی اپنا سلسلہ روکے ہوئے ہے

محبت نے ہی ہم کو راہ پر ڈالا تھا لیکن
محبت ہی ہمارا راستہ روکے ہوئے ہے

خدا کا شکر کر کے منہ میں لقمہ رکھ لیا تھا
پہ تیرا ہجر روٹی کا مزہ روکے ہوئے ہے

تو ایسا کر مری گھبراہٹوں کو قید کر لے
تذبذب آرزو کی ارتقا روکے ہوئے ہے

کوئی شک ہے اُسے جو کر رہا ہے دُکھ مقدّر
ستارہ ہونے والا واقعہ روکے ہوئے ہے

کِیا تھا طنز اُس نے مجھ کو اک لقمہ کھلا کر
تاثر میرے منہ کا ذائقہ روکے ہوئے ہے

کوئی عجلت بہ رنگِ لمس میری خو میں رکھ دے
کوئی تاخیر کارِ دست و پا روکے ہوئے ہے

ہمیں آواز دو تاکہ ترازو ہو توازن
تمہاری چُپ ہماری بھی صدا روکے ہوئے ہے

عشق میں موت کئی بار بھی آ سکتی ہے
زندگی اپنے کئی رُوپ دِکھا سکتی ہے

وہ مرے ساتھ ہے پر عشق نہیں ہے اُس کو
وقت پڑ جائے تو وہ مجھ کو بھلا سکتی ہے

وہ محبت تو کسی اور سے کرتی ہے مگر
میں بلاؤں تو مرے پاس بھی آ سکتی ہے

اُس سے ملتا ہوں فقط اب میں ضرورت کے تحت
مجھ کو دو وقت کا کھانا وہ کھلا سکتی ہے

مجھ میں وہ خود کو تو اب جمع نہیں کر سکتی
ہاں، مجھے خود میں سے کچھ اور گھٹا سکتی ہے

راستے اُس نے تعلّق کے کھلے رکھے ہیں
کوئی تقریب ہو تو مجھ کو بُلا سکتی ہے

وقت کے سارے در و بست اُسے ہیں معلوم
جو میں کھو جاؤں تو وہ ڈھونڈ کے لا سکتی ہے

میں ترے غم کو چھپا لوں گا مرا وعدہ مگر
زندگی اپنے تئیں شور مچا سکتی ہے

اِس بھروسے پہ ہی زندہ ہوں ابھی تک محسنؔ
وہ دوبارہ بھی مجھے اپنا بنا سکتی ہے

کب کوئی رنج چھپانے کے لیے ہوتا ہے
رنگ تصویر بنانے کے لیے ہوتا ہے

ساعتیں جیسے ضمانت ہوں رفاقت کی تری
وقت گویا تجھے پانے کے لیے ہوتا ہے

کچھ ندامت میں بھی ہوتے ہیں رموز و اسرار
آئینہ چہرہ دکھانے کے لیے ہوتا ہے

حال ہوتا ہے محبت کو سمجھنے کے لیے
اور احوال زمانے کے لیے ہوتا ہے

ہم ترے پاس سرک آئے تو کیا جرم کِیا؟
ہر تعلق ہی بڑھانے کے لیے ہوتا ہے

باغ میں آئے ترے ساتھ تو یہ بھید کھلا
پھول بالوں میں لگانے کے لیے ہوتا ہے

ہم تو دیوار پہ تصویریں لگائیں گے تری
گھر ہو کیسا بھی سجانے کے لیے ہوتا ہے

تیرا پاگل ہوں سو خاموش نہیں رہ سکتا
عشق تو شور مچانے کے لیے ہوتا ہے

کیسی دُنیا ہے کسی کو نہیں ٹکنے دیتی
جو بھی آتا ہے وہ جانے کے لیے ہوتا ہے

هم نے غمِ دوراں کو تماشا نہ بنایا
چہرے پہ کوئی دوسرا چہرہ نہ بنایا

ہر رات اُسے سونپی نئے دور کی صورت
پر اپنے لیے کوئی زمانہ نہ بنایا

میں ایک بُرا شخص ہوں، تسلیم ہے مجھ کو
افسوس! مجھے تم نے بھی اچھا نہ بنایا

وہ بھول نہ تھی اُس نے جسے بھول کہا تھا
سو ہم نے بھی اس بھول کو قصّہ نہ بنایا

جو آگ تھی دل کی وہ بدن میں بھی لگا لی
منصوبہ کوئی ہم نے ادھورا نہ بنایا

تسکین محبت نے ہمیں اور طرح دی
ہم نے بھی ضرورت کو حوالہ نہ بنایا

چپ بیٹھے ہمیں اُس نے گنہگار کہا جب
خود ٹوٹ گئے پر اُسے جھوٹا نہ بنایا

تہذیب کو تہذیب ہی رکھا سرِ ہجراں
دستور کوئی ہم نے نہ توڑا، نہ بنایا

وہ دُھوپ میں بھی ملنے چلی آتی ہے محسنؔ
ہم نے بھی کوئی طور طریقہ نہ بنایا

حالتیں مل کے جو سب ایک ہی حالت ہو جائے
عشق کرنے میں مجھے اور سہولت ہو جائے

کرب جو اُس نے دیا ہے وہ بہت میٹھا ہے
بات جو مجھ سے کرے اُس کو محبت ہو جائے

اُس کی بھیجی ہوئی بیماری لگی ہے مجھ کو
کب میں چاہوں گا مری ٹھیک طبیعت ہو جائے

اک بڑا دُکھ ہے ترے ترکِ محبت کا گماں
اس پہ یہ ڈر کہ تجھے مجھ سے نہ نفرت ہو جائے

پوری قوّت سے اُسے یاد اگر میں کر لوں
غیر موجودگی، موجود کی صورت ہو جائے

خوف آتا ہے مجھے لوگوں کی یکجائی سے
کون جانے کہ کسے کس سے رقابت ہو جائے

عندیہ اُس نے دیا تو ہے روا داری کا
کاش جذبات میں پیدا مرے شدّت ہو جائے

اے غم دل مجھے پوری طرح برباد نہ کر
یہ بھی ممکن ہے اُسے پھر سے محبت ہو جائے

دھیان رکھ جنگ ہمیشہ نہیں رہتی جاری
اتنی نفرت بھی نہ کر، ترک محبت ہو جائے

جنوں کی اپنی شعوری بھی حالتیں ہیں کئی
اُسے بتاؤ کہ وحشت کی صورتیں ہیں کئی

اُداس رہتے ہوئے خوش بھی رہنا پڑتا ہے
مرے وجود سے وابستہ وحشتیں ہیں کئی

فقط میں دوسروں کا حق تلف نہیں کرتا
مرے خلاف مری بھی ضرورتیں ہیں کئی

ہمارے فیصلے بر وقت ہوں بھی تو کیسے
نبرد آزما آپس میں ساعتیں ہیں کئی

جوازِ عشق تری درگزر سے نکلا ہے
مجھے خبر ہے بُری میری عادتیں ہیں کئی

وہ آنکھ پہلے فقط مجھ کو دیکھا کرتی تھی
مگر اب اُس کی نظر میں علامتیں ہیں کئی

جو اختلاف چھپے ہیں چھپے ہی رہنے دے
ترے سبب سے میسّر سہولتیں ہیں کئی

ہمارے ساتھ مشقّت بھی کر رہی ہے وہ
وہ جانتی ہے ہماری ضرورتیں ہیں کئی

جو ہو سکے تو مجھے بار بار چھو کے دیکھ
چھپی ہوئی مرے اندر وضاحتیں ہیں کئی

میں دوسروں کے دُکھوں پر بھی رونے لگتا ہوں
مری نہیں ہیں جو ایسی بھی حسرتیں ہیں کئی

میں خود غرض بھی ہوں، پاگل بھی اور اکیلا بھی
مرے وجود کو مجھ سے عداوتیں ہیں کئی

میں آگ ہوں کہ ہوا ہوں مجھے نہیں معلوم
مرے حوالے سے محسنؔ روایتیں ہیں کئی